أُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے (سورۃ النحل ۱۲۵)

اصلاحی مضامین



محمد نجیب سنبھلی قاسمی



أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے (سورۃ النحل ۱۲۵)

اصلاحی مضامین

(قرآن وسنت کی روشنی میں چند اصلاحی
ومعلوماتی مضامین کا مجموعہ جو انٹرنیٹ کے
مختلف گروپ پر وقتاً فوقتاً Circulate کئے گئے)

محمد نجیب سنبھلی قاسمی

(مقیم حال، ریاض)

Mohammad Najeeb Sambhali Qasmi

اکثر مضامین www.deeneislam.com پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

Publisher ناشر

فریڈم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفیر سوسائٹی، دیپاسرائے، سنبھل، مرادآباد، یوپی

"Islahi Mazameen"

By Mohammad Najeeb Sambhali Qasmi

نام کتاب: اصلاحی مضامین
مصنف: محمد نجیب سنبھلی قاسمی
پہلا ایڈیشن: اکتوبر ۲۰۱۱ء

najeebqasmi@yahoo.com,
mnajeebqasmi@gmail.com

میرے عزیز دوست محترم مولانا اختر الاسلام صدیقی صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ رابعہ صدیقی صاحبہ کے تعاون سے کتاب کا پہلا ایڈیشن مفت تقسیم کرنے کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس کارِ خیر کو قبول فرماکر عزیز دوست کی، والد اور ان کی اہلیہ کی، والد کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔۔

Publisher ناشر

فریڈم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفیئر سوسائٹی، دیپا سرائے، سنبھل، مرادآباد، یوپی
Freedom Fighter Molana Ismail Sambhali Welfare Society
Deepa Sarai, Sambhal, Moradabad, U.P. Pin Code: 244302

کتاب مفت ملنے کا پتہ

ڈاکٹر محمد مجیب، دیپا سرائے، سنبھل، مرادآباد، یوپی، فون نمبر: 05923 230678

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْنَ۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے سعودی عرب میں قیام کے دوران ذاتی مصروفیات کے باوجود روزمرہ کی زندگی کے مسائل سے متعلق مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کردہ یہ مضامین انٹرنیٹ کے مختلف گروپ پر Circulate کئے گئے ہیں، اکثر مضامین فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی چلنے والی ویب سائٹ www.deeneislam.com پر Upload ہیں، ان مضامین کو کتاب کی شکل میں لانے کی متعدد مرتبہ کاوش ہوئی، مگر ظروف کی وجہ سے خواہش کی تکمیل نہ ہوسکی۔

موجودہ زمانہ میں تعلیم وتعلم کے لئے انٹرنیٹ کا بھی استعمال کیا جارہا ہے، یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ چنانچہ امسال رمضان کی بابرکت گھڑیوں میں ان مضامین کو جمع کرکے ایک Electronic Book تیار کرنے کی خصوصی کوشش کی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے پایۂ تکمیل تک پہونچی اور اس سال رمضان میں یہ کتاب www.deeneislam.com پر Upload کردی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کتاب کے Electronic Book کی شکل میں آنے کے صرف دو ماہ بعد ہی مضامین کے ایک مجموعہ کو کتاب کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ استفادہ عام ہوسکے۔ دوسرا مجموعہ خاص کر نماز اور حج وغیرہ سے متعلق مضامین کو کسی

دوسرے موقع پر شائع کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنے دین اسلام کی خدمت کے لئے قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اپنے ان اساتذۂ کرام کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی عطا فرمائے، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے میرے چھ سالہ طالب علمی کے زمانے میں بہت خلوص کے ساتھ پڑھا کر مجھے اس قابل بنایا۔

اس موقع پر والد محترم جناب ڈاکٹر محمد شعیب صاحب اور والدہ محترمہ کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آخر میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود چند ستائشی سطریں تحریر فرمائیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

طالب دعا:

محمد نجیب سنبھلی قاسمی (ریاض)

۱۳ ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ

تقریظ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

نحمدہ اللہ العلی العظیم، ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی الامین، سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، امابعد!

یہ جان کر بہت مسرت ہوئی کہ مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی جو ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اور خود بھی ستھرا علمی ذوق رکھتے ہیں، فی الحال ریاض (سعودی عربیہ) میں مقیم ہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف دینی موضوعات پر علمی واصلاحی مضامین انٹرنیٹ کے ذریعے شائع کرتے رہتے ہیں۔

موصوف نے امسال رمضان کے مبارک ماہ میں ان مضامین کو الیکٹرانک بک کی شکل میں مرتب کرکے اس کو انٹرنیٹ کے مختلف گروپ پر شائع کیا تھا۔ صرف،، ماہ بعد عی موصوف ان مضامین میں سے اہم اجزاء کا انتخاب کرکے ایک کتاب کی شکل میں شائع کررہے ہیں۔ اس کتاب سے قبل موصوف کی دو کتابیں "حج مبرور" اور "حی علی الصلاۃ" متعدد بار شائع ہوچکی ہیں۔

میں نے مضامین کی فہرست دیکھی ہے جو امت مسلمہ کے لئے مفید ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی مساعی کو قبول فرمائے، اور امت کے جوانوں اور دینی ذوق رکھنے والوں کو ان کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کی توفیق بخشے، آمین۔ والسلام،،،

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

حجیتِ حدیث

حدیث کی تعریف:

اُس کلام کو حدیث کہا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے قول یا عمل یا کسی صحابی کے عمل پر آپ ﷺ کے سکوت یا آپ ﷺ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کیا گیا ہو۔ حدیث کے دو اہم جزء ہوتے ہیں۔

(۱) سند: جن واسطوں سے نبی اکرم ﷺ کا قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت امت تک پہونچی ہو۔

(۲) متن: وہ کلام جس میں نبی اکرم ﷺ کے قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت ذکر کی گئی ہو۔

مثال: عن فلان عن فلان عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال:

فلاں شخص نے فلاں شخص سے اورانہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ سند حدیث ہے۔

انما الاعمال بالنیات..... اعمال کادارومدار نیت پر ہے ------ یہ نبی اکرم ﷺ کا قول ہے جو متن حدیث ہے۔

حجیت کے معنی: حجیت کے معنی استدلال (کسی حکم کو ثابت کرنا) کرنے کے ہیں، یعنی قرآن کریم کی طرح احادیث مبارکہ سے بھی عقائد واحکام وفضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں، البتہ اس کا درجہ قرآن کریم کے بعد ہے۔

حجیت حدیث قرآن کریم سے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں متعدد مرتبہ حدیث رسول ﷺ کے قطعی دلیل ہونے کو بیان فرمایا ہے، جن میں سے چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ وَاَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیهِم وَلَعَلَّهُم یَتَفَکَّرُونَ (سورۃ النحل ۴۴) یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

☆ وَمَآ اَنزَلنَا عَلَیکَ الکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اختَلَفُوا فِیهِ (سورۃ النحل ۶۴) یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر اس لئے اتاری ہے کہ آپ ﷺ ان کے لئے ہر چیز کو واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔

☆ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰکُم عَنهُ فَانتَهُوا (سورۃ الحشر ۷) تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

☆ وَاَطِیعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّکُم تُرحَمُونَ (سورۃ آل عمران ۱۳۲) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

☆ مَن یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

☆ قُل اَطِیعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاِن تَوَلَّوا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الکٰفِرِینَ (سورۃ آل عمران ۳۲) اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

☆ یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم فَاِن تَنَازَعتُم فِی شَیءٍ فَرُدُّوهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُولِ ..... (سورۃ النساء ۵۹) اے ایمان

والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اکرم ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا، فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (المائدہ ۹۲) تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو یہ جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۃ الانفال ۱) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (سورۃ الانفال ۲۰) اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ اس کی فرمانبرداری سے روگردانی نہ کرو سنتے جانتے ہوئے۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا (سورۃ الانفال ۴۶) اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو۔

☆ ..... وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (سورۃ التوبہ ۷۱) (مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا کام کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔

☆ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (سورۃ النور ۵۱) ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس

لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

(سورۃ النور ۵۲) جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے، اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

☆ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (سورۃ النور ۵۴) اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا ہے اور تم پر اسکی جوابدہی ہے جو تم پر لازم کی گئی ہے۔

☆ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(سورۃ النور ۵۶) نماز کی پابندی کرو، زکاۃ کی ادائیگی کرو، اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

(محمد ۳۳) اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

☆ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورۃ المجادلہ ۱۳)

تو اب نمازوں کو قائم رکھو، زکاۃ دیتے رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سورۃ التغابن ۱۲) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

ان تمام آیات میں اتباعِ رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾،

کہیں فرمایا: ﴿اطیعوا اللہ ورسولہ﴾، کسی جگہ ارشاد ہے: ﴿اطیعوا اللہ والرسول﴾ اور کسی آیت میں ارشاد ہے: ﴿اطیعوا الرسول﴾۔ ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو، اور ارشادِ نبوی ﷺ کی اطاعت کرو۔

☆ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (سورۃ النساء، ۸۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اطاعت الٰہی قرار دیتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

☆ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (سورۃ آل عمران ۳۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول کو حب الٰہی کا معیار قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے نبی! لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (سورۃ النساء ۱۳۔۱۴) جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، اور اس کی مقرر حدوں سے آگے نکلے گا، اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورۃ الفتح ۱۷) جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو منہ پھیر ے گا، اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا فیصلہ فرمایا ہے۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورۃ النساء ۶۹) جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کا حشر انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

☆ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

(سورۃ الاحزاب ۳۶) کسی مومن مرد و مومنہ عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر وہ اس معاملہ میں خود فیصلہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

☆ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ النساء ۶۵)

(اے نبی ﷺ!) تیرے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔ اس آیت میں اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کی نافرمانی کو عدم ایمان کی نشانی اور آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔

☆ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ البقرہ ۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و حکمت سکھائے۔ (کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد حدیث ہے)

☆ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (سورۃ الانفال ۲۴) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔

☆ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورۃ الاحزاب ۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کی زندگی جو احادیث کے ذخیرہ کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے کل قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ہم اپنی زندگیاں اسی نمونہ کے مطابق گزاریں۔

☆ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (سورۃ النساء ۱۱۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم رسول ﷺ اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے

فرماتا ہے: جو شخص رسول ﷺ کے خلاف کرے اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور کے راستے پر چلے جبکہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی ہے تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے، جو بد ترین ٹھکانا ہے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر یہ بات واضح طور پر بیان کردی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور رسول کی اطاعت جن واسطوں سے ہم تک پہونچی ہے یعنی احادیث کا ذخیرہ، ان پر اگر ہم شک وشبہ کرنے لگیں تو گویا یا تو ہم قرآن کریم کی ان مذکورہ تمام آیات کے منکر ہیں یا زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کا حکم دیا ہے یعنی اطاعت رسول ﷺ، جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

حجیت حدیث نبی اکرم ﷺ کے اقوال سے:

سارے انبیاء کے سردار وآخری نبی حضور اکرم ﷺ نے بھی قرآن کریم کے ساتھ سنت رسول ﷺ کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات تواتر کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے صرف تین احادیث پیش خدمت ہیں:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز آجاؤ اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کی تعمیل کرو۔ (بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے تمام افراد جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!

دخول جنت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا، اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے دخول جنت سے انکار کیا۔ (بخاری ومسلم)

حجیت حدیث اجماع سے:

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں اور انتقال کے بعد صحابۂ کرام کے عمل سے امت مسلمہ نے سنت رسول ﷺ کے حجت ہونے پر اجماع کیا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کسی بھی مسئلہ کا حل پہلے قرآن کریم میں تلاش کیا کرتے تھے، پھر نبی اکرم ﷺ کی سنت میں۔ اسی وجہ سے جمہور علماء کرام نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں، جیسا کہ سورۂ النجم کی ابتدائی آیات ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے:

(۱) وحی متلو: وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے، یعنی قرآن کریم، جس کا ایک ایک حرف کلام الٰہی ہے۔

(۲) وحی غیر متلو: وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے، یعنی سنت رسول ﷺ، جس کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہیں، البتہ بات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

بعض حضرات قرآن کریم کی چند آیات مثلاً ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ سورۂ النحل ۸۹﴾ اور ﴿تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ سورۂ الانعام ۱۵۴﴾ سے غلط مفہوم لے کر یہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر مسئلہ کا حل ہے اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے حدیث کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن کریم کی طرح شریعت اسلامیہ میں قطعی دلیل اور حجت ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں متعدد مقامات پر مکمل وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ کے اقوال وارشاد سے بھی

احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں عموماً احکام کی تفصیل مذکور نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے اقوال واعمال سے ان مجمل احکام کی تفصیل بیان کی ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نبی ورسل کو بھیجتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے اقوال واعمال سے امتیوں کے لئے بیان کردیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر نماز پڑھنے، رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن نماز کی تفصیل قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے کہ ایک دن میں کتنی نمازیں ادا کرنی ہیں؟ قیام یا رکوع یا سجدہ کیسے کیا جائے گا اور کب کیا جائے گا؟ اور اس میں کیا پڑھا جائے گا؟ ایک وقت میں کتنی رکعت ادا کرنی ہیں؟ اسی طرح قرآن کریم میں زکاۃ کی ادائیگی کا تو حکم ہے لیکن تفصیلات مذکور نہیں ہیں کہ زکاۃ کی ادائیگی روزانہ کرنی ہے یا سال بھر میں یا پانچ سال میں یا زندگی میں ایک مرتبہ؟ پھر یہ زکاۃ کس حساب سے دی جائے گی؟ کس مال پر زکاۃ واجب ہے اور اس کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟

غرضیکہ اگر حدیث کی حجیت پر شک کریں تو قرآن کریم کی وہ سینکڑوں آیات جن میں نماز پڑھنے، رکوع کرنے یا سجدہ کرنے کا حکم ہے یا زکاۃ کی ادائیگی کا حکم ہے، وہ سب نعوذ باللہ بے معنی ہوجائیں گی۔

اسی طرح قرآن کریم (سورۃ المائدہ ۳۸) میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹیں یا ایک ہاتھ؟ اور اگر ایک ہاتھ کاٹیں تو داہنا کاٹیں یا بایاں؟ پھر اسے کاٹیں تو کہاں سے؟ بغل سے؟ یا کہنی سے؟ یا کلائی سے؟ یا ان کے بیچ میں کسی جگہ سے؟ پھر کتنے مال کی قیمت کی چوری پر ہاتھ کاٹیں؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت حدیث میں ہی ملتی ہے، معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو حدیث کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔

اسی طرح قرآن کریم (سورۃ الجمعہ) میں یہ ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ تعالی کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کا دن کونسا ہے؟ یہ اذان کب دی جائے؟ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ جمعہ کی نماز کب ادا کی جائے؟ اس کو کیسے پڑھیں؟ خرید و فروخت کی کیا کیا شرائط ہیں؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت احادیث میں ہی مذکور ہے۔

بعض حضرات سند حدیث کی بنیاد پر ہوئی احادیث کی اقسام یا راویوں کو ثقہ قرار دینے میں محدثین وفقہاء کے اختلاف کی وجہ سے حدیث رسول ﷺ کو ہی شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ نے قرآن کریم کو قیامت تک آنے والے تمام عرب وعجم کی رہنمائی کے لئے نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالی نے متعدد جگہوں (مثلاً سورۃ النحل ۴۴، ۶۴) پر ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ کتاب ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کلام کو کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کردیں۔ تو جس طرح اللہ تعالی نے قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی ہے، اس کے معانی ومفاہیم جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ بھی کل قیامت تک محفوظ رہیں گے، ان شاء اللہ۔ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معنی ومفہوم کی حفاظت بھی مطلوب ہے ورنہ نزول قرآن کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ احادیث کے ذخیرہ میں بعض باتیں غلط طریقہ سے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔ لیکن محدثین وعلماء کی بے لوث قربانیوں سے تقریباً تمام ایسے غلط اقوال کی تحدید ہوگئی ہے جو حدیث کے کامل ذخیرہ کا ادنی سا حصہ ہے۔ جہاں تک راویوں کے سلسلہ میں محدثین وعلماء کے اختلافات کا تعلق ہے تو اس اختلاف کی بنیاد پر حدیث کی حجیت پر شک نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اختلاف کا اصل مقصد خلوص کے ساتھ

احادیث کے ذخیرہ میں موضوعات کو الگ کرنا اور احکام شرعیہ میں ان ہی احادیث کو قابل عمل بنانا ہے جس پر کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ جہاں کوئی شک وشبہ ہو تو ان احادیث کو احکام کے بجائے صرف اعمال کی فضیلت کی حد تک محدود رکھا جائے۔

مثلاً مریض کے علاج میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہونے کی صورت میں ڈاکٹری پیشہ کو ہی رد نہیں کیا جاتا ہے۔اسی طرح مکان کا نقشہ تیار کرنے میں انجینئروں کے اختلاف کی وجہ سے انجینئروں کے بجائے مزدوروں سے نقشہ نہیں بنوایا جاتا ہے۔موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی تعلیم وتعلم کے لئے ایک ہی کورس کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ہر علاقہ میں زندگی گزارنے کے طریقے مختلف ہیں، غرضیکہ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں اختلاف موجود ہے،ان اختلافات کے باوجود ہم زندگی کے ہی منکر نہیں بن جاتے، تو احادیث کی تقسیم اور راویوں کو ثقہ قرار دینے میں اختلاف کی وجہ سے حدیث کا ہی انکار کیوں؟ بلکہ بسا اوقات یہ اختلافات امت کے لئے رحمت بنتے ہیں کہ زمانے کے خدوخال کے اعتبار سے مسئلہ کا فیصلہ کسی ایک رائے کے مطابق کردیا جاتا ہے،نیز اختلافات کی وجہ سے تحقیق کا دروازہ بھی کھلا رہتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں تدبر وتفکر کرنے کا حکم دیا ہے، مگر یہ تدبر وتفکر مفسر اول حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں ہی ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے متعدد جگہوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ کتاب ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کلام کو کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کردیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا۔ لیکن کچھ حضرات قرآن کریم کی تفسیر میں نبی اکرم ﷺ کے اقوال وارشادات کو ضعیف یا موضوع قرار دے کر اپنی رائے تھوپنا شروع کردیتے ہیں، جو کہ سراسر گمراہی ہے۔ یقیناً ہر شخص کو قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا چاہئے، کیونکہ یہ کتاب ہماری

ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم کے احکام کھول کھول کر بیان فرمادئے ہیں، لیکن ہمارے لئے ضروری ہے کہ علماء کی سرپرستی میں قرآن وسنت کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھیں پھر اس کا درس دیں۔ یاد رکھیں کہ علماء حق کا موقف ہے کہ جس مسئلہ میں بھی نبی اکرم ﷺ کے قول وفعل سے رہنمائی مل سکتی ہے خواہ اس حدیث کی سند میں تھوڑا ضعف بھی ہو وہاں مسائل میں اجتہاد وقیاس اور عقلی گھوڑے دوڑانے کے بجائے نبی اکرم ﷺ کے قول وفعل کے مطابق ہی عمل کیا جائے۔

حدیث کی قسمیں: سند حدیث (جن واسطوں سے نبی اکرم ﷺ کا قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت امت تک پہونچی ہے) کے اعتبار سے حدیث کی مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، جو اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

متواتر: جس حدیث کی روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

مشہور: جس حدیث کی روایت کرنے والوں کی تعداد ایک بڑی جماعت ہو۔

آحاد: جس حدیث کی روایت کرنے میں کسی ایک زمانہ میں صرف ایک ہی راوی ہو۔

مرفوع: جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہونچتی ہو۔

موقوف: جس کی سند کسی صحابی تک پہونچتی ہو۔

مقطوع: جس کی سند کسی تابعی تک پہونچتی ہو۔

صحیح لذاتہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی علم وتقویٰ دونوں میں کمال کو پہونچا ہوا ہو اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث سنی ہو۔ نیز حدیث کے متن میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو، اور کوئی دوسری علت (نقص) بھی نہ ہو۔ جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد واحکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی تقویٰ میں تو کمال کو پہنچا ہوا ہو، اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث بھی سنی ہو، نیز متن حدیث میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو، لیکن کوئی ایک راوی علم میں اعلیٰ پیمانہ کا نہ ہو اور کوئی دوسری علت (نقص) بھی نہ ہو۔ البتہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہو جس کے تمام راوی علم میں بھی اپنے کمال کو پہنچے ہوئے ہوں تو یہ حدیث صحیح لغیرہ کہلائی جائے گی۔ جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد و احکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے۔

حسن لذاتہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی تقویٰ میں تو کمال کو پہنچا ہوا ہو، اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث بھی سنی ہو، نیز حدیث کے متن میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو۔ لیکن کوئی ایک راوی علم میں اعلیٰ پیمانہ کا نہ ہو۔ جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد و احکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے، البتہ اس کا درجہ صحیح سے کم ہے۔

حسن لغیرہ: حدیث حسن کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو، البتہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہو جس میں وہ شرط موجود ہے تو یہ حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ ان احادیث سے عقائد یا احکام ثابت کرنے میں محدثین کی رائے مختلف ہیں۔

ضعیف: حدیث حسن کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو۔ جمہور محدثین کا اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے عقائد یا احکام ثابت نہیں ہوتے، البتہ قرآن یا احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ اعمال کی فضیلت کیلئے ضعیف حدیث قبول کی جاتی ہے۔

حدیث قدسی: اُس حدیث کو حدیث قدسی کہا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اللہ تعالیٰ ہی کے الفاظ میں ذکر کیا جائے تو وہ حدیث حدیث قدسی کہلائی جاتی ہے۔ جبکہ حدیث نبوی میں نبی

اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اپنے الفاظ کے ذریعہ بیان فرماتے ہیں۔

احادیث قدسیہ کی تعداد: احادیث قدسیہ کی تعداد کے متعلق علماء ومحدثین کی رائے متعدد ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق احادیث قدسیہ کی تعداد سو سے کچھ زیادہ ہے۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق: اگرچہ حدیث قدسی بھی اللہ کے کلام پر مشتمل ہوتی ہے لیکن حدیث قدسی اور قرآن کے درمیان واضح فرق موجود ہیں، مثلاً:

۱) قرآن معجزہ ہے، اس کے مثل ایک آیت پیش نہ کرنے کا قیامت تک کے لوگوں کو چیلنج ہے۔ جبکہ حدیث قدسی معجزہ نہیں ہے۔ ۲) قرآن کریم فصاحت وبلاغت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے برخلاف حدیث قدسی کے۔ ۳) قرآن کریم تواتر کے ساتھ امت تک پہونچا ہے، اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ ۴) قرآن کریم کو بغیر وضو کے چھو نہیں سکتے، نیز ناپاک شخص اس کی تلاوت نہیں کرسکتا برخلاف حدیث قدسی کے۔ ۵) قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے، نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا ضروری ہے برخلاف حدیث قدسی کے۔

حدیث قدسی کی مثال: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِهِ، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ (بخاری ومسلم) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ویساہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) میں تذکرہ کرتا ہوں۔

مختصر سیرت نبوی ﷺ

☆ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ میں دوشنبہ کے روز ۹ ربیع الاول (۵۷۱ء) کو پیدا ہوئے۔

☆ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کے والد عبد اللہ کا انتقال ہوگیا۔

☆ جب ۶ سال کی عمر ہوئی تو آپ کی والدہ آمنہ کا انتقال ہوگیا۔

☆ جب ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ دن کے ہوئے تو آپ کے دادا عبد المطلب بھی فوت ہو گئے۔

☆ جب ۱۲ سال کے ہوئے تو چچا ابو طالب کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہوئے مگر راستے ہی سے واپس آگئے۔

☆ جوان ہو کر آپ ﷺ نے کچھ دنوں تجارت کی۔

☆ ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ ؓ سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہ ؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

☆ ۳۵ سال کی عمر میں جب قبیلۂ قریش میں کعبہ کی تعمیر پر جھگڑا ہوا، آپ ﷺ نے اس جھگڑے کا بہترین حل پیش کیا، جس سے سارا مسئلہ ہی حل ہوگیا، جس پر سب نے آپ کو صادق اور امین کے لقب سے نوازا۔

☆ ۴۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔

☆ تین سال تک نبی اکرم ﷺ چپکے چپکے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ پھر کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینے لگے۔

☆ کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینے پر مسلمانوں کو بہت زیادہ ستایا جانے لگا۔ ۶ سال تک مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دی گئیں۔

☆ مسلمانوں نے تنگ آ کر مکہ مکرمہ سے چلے جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۵ نبوت میں

صحابہ کی ایک جماعت حبشہ ہجرت کر گئی۔

☆ ۶ نبوت: آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ، اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ مسلمان ہوئے۔

☆ ان دونوں کے ایمان لانے سے قبل تک مسلمان چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے، اب کھل کر نماز پڑھنے لگے۔

☆ ۷ نبوت: قریش نے آپس میں ایک عہدنامہ تحریر کیا کہ کوئی شخص مسلمانوں اور ہاشمی قبیلہ کے ساتھ لین دین اور رشتہ ناطہ نہیں کرے گا۔ اس ظلم کی وجہ سے مسلمان اور ہاشمی قبیلے کے لوگ تقریباً تین سال تک ایک پہاڑی کی کھوہ میں بندر ہے۔

☆ ۱۰ نبوت: آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا۔ آپ کو بہت زیادہ رنج وغم ہوا۔

☆ ۱۰ نبوت: ابو طالب کے انتقال کے بعد کفار مکہ نے کھل کر آپ ﷺ کو اذیت اور تکلیف دینی شروع کر دی۔

☆ ۱۰ نبوت: آپ نے طائف جا کر لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت دی، لیکن وہاں پر بھی آپ ﷺ کو بہت ستایا گیا۔

☆ ۱۱ نبوت: آپ ﷺ کے وعظ ونصائح پر مدینہ منورہ کے چھ حضرات مسلمان ہوئے۔

☆ ۲۷ رجب ۱۲ نبوت: ۵۱ سال ۵ مہینہ کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کو معراج ہوئی۔ مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

☆ ۱۲ نبوت: موسم حج میں ۱۸ شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

☆ ۱۳نبوت: ۲ عورتیں اور ۷۳ مرد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مدینہ چلنے کی درخواست کی، نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔

☆ ۱۳نبوت (یکم ربیع الاول): آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔

☆ آپ ﷺ نے سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے قریب بنو عمرو بن عوف کی بستی قبا میں چند روز کا قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ قُبا سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہونچ کر اُس مقام پر جمعہ پڑھایا جہاں اب مسجد (مسجد جمعہ) بنی ہوئی ہے۔

☆ ۱ ہجری: مدینہ منورہ پہونچکر نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں اب تک فرض رکعات کی تعداد ۲ تھی، مدینہ منورہ پہونچ کر ۴ رکعات مقرر ہوئیں۔ مہاجرین صحابہ کا انصار صحابہ کے ساتھ بھائی چارا قائم کیا گیا۔ مدینہ کے یہودیوں اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کے عہد نامے ہوئے۔

☆ ۲ ہجری: نماز کے لئے اذان دی جانے لگی۔ کعبہ (بیت اللہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جانے لگی۔

☆ ۲ ہجری: ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ ☆ ۳ ہجری: زکاۃ فرض ہوئی۔

☆ ۴ ہجری: شراب پینا حرام ہوا۔ ☆ ۵ ہجری: عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہوا۔

☆ ۶ ہجری: صلح حدیبیہ ہوئی۔ آپ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بغیر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ اس وقت کے مشہور بادشاہوں کو نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ

کی دعوت پر بادشاہوں اور حکمرانوں کے علاوہ عرب کے بڑے بڑے قبیلے مسلمان ہوئے۔

☆ ۷ ہجری: آپ ﷺ نے عمرہ کی قضا کی، کیونکہ آپ ﷺ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کی وجہ سے عمرہ ادا نہیں کر سکے تھے۔

☆ ۸ ہجری: مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک وصاف کیا گیا۔

☆ ۹ ہجری: حج فرض ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی سرپرستی میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے حج ادا کیا۔ حضرت علیؓ نے میدان حج میں نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اعلان کیا کہ اب آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوگا۔

☆ ۱۰ ہجری: آپ ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ حج (حجۃ الوداع) ادا کیا۔

☆ ۱۱ ہجری: ۶۳ سال اور پانچ دن کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے روز آپ ﷺ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

غرض نبوت کے بعد آپ ﷺ تقریباً ۲۳ سال حیات رہے، جن میں سے ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں اور ۱۰ سال مدینہ منورہ میں۔

غزوات: نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد دشمنوں کے ساتھ ۲ ہجری سے ۹ ہجری کے دوران آٹھ سال میں متعدد جنگیں ہوئیں، جن میں سے مشہور غزوات یہ ہیں:
غزوہ بدر ۲ ہجری۔ غزوہ احد ۳ ہجری۔ غزوہ خندق ۵ ہجری۔ غزوہ خیبر ۵ ہجری۔ غزوہ فتح مکہ ۸ ہجری۔ غزوہ حنین ۸ ہجری۔ غزوہ تبوک ۹ ہجری۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات

ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۲) میں ارشاد فرماتا ہے۔ ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اے نبی ﷺ کی ازواج (مطہرات) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تم بلند مقام کی حامل ہو۔ تمہاری ایک غلطی پر دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور اسی طرح تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۳۰ اور ۳۱ میں مذکور ہے۔

قرآن کریم روز قیامت تک کے لئے لوگوں سے مخاطب ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ (سورۂ احزاب۔ آیت ۵۳) اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کرو۔ یعنی ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) تمام ایمان والوں کے لئے ماں (ام المؤمنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا نکاح ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی، یعنی حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کرچکی تھیں، اور اُن کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا۔ اس

طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری جوانی (۲۵ سے ۵۰ سال کی عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاروی۔

۵۰ سے ۶۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے چند نکاح کئے۔ یہ نکاح کسی شہوت کو پوری کرنے کے لئے نہیں کئے کہ شہوت ۵۰ سال کی عمر کے بعد اچانک ظاہر ہوگئی ہو۔ اگر شہوت پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ نکاح فرماتے تو کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ بلکہ چند سیاسی ودینی واجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے یہ نکاح کئے۔ ان سیاسی ودینی واجتماعی اسباب کا بیان مضمون کے آخر میں آرہا ہے۔

سب سے قبل' نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کا مختصر تعارف:

۱) امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ :

یہ نبی اکرم ﷺ کی پہلی بیوی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دیانت، کمال اور برکت کو دیکھ کر انہوں نے خود شادی کی درخواست کی تھی۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں (زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ) اور ابراہیمؓ کے علاوہ دونوں بیٹے (قاسمؓ اور عبداللہؓ) حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ آپ ﷺ کی ساری اولاد آپ ﷺ کی زندگی میں ہی انتقال فرماگئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال

تھی۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال نبوت کے دسویں سال ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی سچائی اور غمگساری کو نبی اکرم ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ یاد فرماتے تھے۔

۲) اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ :

یہ اپنے شوہر (سکران بن عمرو) کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، ان کی ماں بھی مسلمان ہوگئی تھیں، ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ جب اُن کا کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کرلیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال اور حضرت سودہؓ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اور یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد تقریباً تین چار سال تک صرف حضرت سودہؓ ہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ غرض تقریباً ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی عورت رہی اور وہ بھی بیوہ۔ حضرت سودہؓ کا انتقال ۵۴ ہجری میں ہوا۔

۳) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ :

یہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آرزو تھی کہ میری بیٹی نبی کے گھر میں ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ ہی میں ہوگیا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ کے گھر (مدینہ منورہ) میں ۲ ہجری کو آئیں۔ یعنی ۳، ۴ سال بعد رخصتی ہوئی۔ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ جیسے باپ نے اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، بیٹی بھی ایسی ہی عالمہ، فاضلہ ہوئیں کہ بڑے

بڑے صحابۂ کرام اُن سے مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ۲۲۱۰ احادیث کی روایت
اُن سے ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بعد سب سے زیادہ احادیث
حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات میں صرف حضرت
عائشہؓ ہی کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ سے
بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور اسی
میں آپ ﷺ مدفون ہیں۔حضرت عائشہؓ کا ۵۷ یا ۵۸ ہجری میں انتقال ہوا۔

۴) ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمر :

یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے اپنے پہلے شوہر کے ساتھ حبشہ اور
پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر غزوہ احد میں زخمی ہو گئے تھے اور انہیں
زخموں سے تاب نہ لاکر انتقال فرما گئے تھے۔ اس طرح حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں، تو نبی
اکرم ﷺ نے ان سے ۳ ہجری میں نکاح فرمایا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال کی
تھی۔حضرت حفصہؓ بہت زیادہ عبادت گزار تھیں۔حضرت حفصہؓ کا انتقال ۴۱ یا ۴۵
ہجری میں ہوا۔

۵) ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ :

ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے، پھر عبیدہ بن حارث سے ہوا تھا۔ یہ دونوں نبی
اکرم ﷺ کے حقیقی چچیرے بھائی تھے۔ تیسرا نکاح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا، یہ
نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، وہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے
حضرت زینبؓ کے تیسرے شوہر کے انتقال کے بعد ان سے ۳ ہجری میں نکاح کرلیا۔
اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ وہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ

غریبوں کی اتنی مدد اور پرورش کیا کرتی تھیں کہ ان کا لقب ام المساکین (مسکینوں کی ماں) پڑ گیا تھا۔

۶) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ؓ :

ان کا پہلا نکاح حضرت ابو سلمہؓ سے ہوا تھا، جو نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ جنگ احد کے زخموں سے وفات ہوگئی تھی۔ چار بچے یتیم چھوڑے۔ جب کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے بے کس بچوں اور ان کی حالت پر رحم کھا کر ان سے ۳ ہجری میں نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال اور حضرت ام سلمہ ؓ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ ۵۸ یا ۶۱ ہجری میں حضرت ام سلمہ ؓ کا انتقال ہوگیا۔ امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں انہیں کا انتقال ہوا۔

غرضیکہ حضرت حفصہؓ، حضرت زینب بنت خزیمہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ کے شوہر غزوۂ احد (۳ ہجری) میں شہید ہوئے، یا زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال فرما گئے تو آپ ﷺ نے ان بیوہ عورتوں سے ان کے لئے دنیاوی سہارے کے طور پر نکاح فرمایا۔

۷) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش ؓ :

یہ نبی اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح کوشش کر کے اپنے منہ بولے بیٹے (آزاد کردہ غلام) حضرت زیدؓ سے کرا دیا تھا۔ لیکن شوہر کی حضرت زینبؓ کے ساتھ نہیں بنی اور بیوی کو چھوڑ دیا۔ اگر چہ نبی اکرم ﷺ نے زید ؓ کو بہت سمجھایا مگر دونوں کا ملاپ نہیں ہوسکا۔ حضرت زینبؓ کی اس مصیبت کا بدلہ اللہ نے یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اُن کا نکاح ۵ ہجری میں ہوگیا یعنی اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۸ سال

تھی ۔زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھ کر اس کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زیدؓ کی مطلقہ عورت سے نکاح کر کے امت مسلمہ کو یہ تعلیم دی کہ منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، یعنی منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے شادی کی جا سکتی ہے ۔ یاد رکھیں کہ باپ اپنے حقیقی بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے کبھی بھی شادی نہیں کر سکتا ۔حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

۸) ام المؤمنین حضرت جویریہؓ :

لڑائی میں پکڑی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابت بن قیسؓ ۲۰ سال کے نوجوان تھے ۔حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہؓ سے اُن کو آزاد کرنے کے لئے کچھ پیسہ مانگا ۔حضرت جویریہؓ مالی تعاون کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں ۔ نبی اکرم ﷺ نے ساری رقم ادا کر کے اُن کو آزاد کرا دیا ۔ پھر فرمایا کہ بہتر ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں ۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اُن کا نکاح ۵ ہجری میں ہو گیا، یعنی اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۸ سال کی تھی ۔جب لشکر نے یہ سنا کہ سارے قیدی نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار بن گئے تو صحابۂ کرام نے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا ۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی اس چھوٹی سی تدبیر نے ۱۰۰ سے زیادہ انسانوں کو لونڈی وغلام بنائے جانے سے بچا دیا ۔ نیز حضرت جویریہؓ کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے قبیلہ بنو مصطلق کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔ (یاد رکھیں کہ اسلام نے ہی عربوں میں زمانہ جاہلیت سے جاری انسانوں کو غلام و لونڈی بنانے کا رواج رفتہ رفتہ ختم کیا)۔ حضرت جویریہؓ کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا۔

۹) امّ المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب:

ان کا تعلق یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر سے ہے۔حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ان کے باپ، بھائی اور ان کے شوہر کو جنگ میں قتل کردیا گیا تھا۔ یہ قید ہوکر آئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ چاہیں اسلام لے آئیں یا اپنے مذہب پر باقی رہیں۔ اگر اسلام لاتی ہیں تو میں نکاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ ان کو آزاد کردیا جائے گا تا کہ اپنے خاندان کے ساتھ جا ملیں۔حضرت صفیہؓ اپنے خاندان کے لوگوں میں واپسی کے بجائے اسلام قبول کرکے نبی اکرم ﷺ سے نکاح کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔نبی اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کردیا، پھر ۷ ہجری میں ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ حضرت صفیہؓ کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا۔

۱۰) امّ المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ :

حضرت ابوسفیان اموی ؓ کی بیٹی ہیں۔ جن دنوں ان کے والد نبی کریم ﷺ کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے، یہ مسلمان ہوئی تھیں،اسلام کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔پھر شوہر کو لیکر حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں جا کر اُن کا شوہر مرتد ہوگیا۔ایسی سچی اور ایمان میں پکی عورت کے لئے یہ کتنی مصیبت تھی کہ اسلام کے واسطے باپ، بھائی، خاندان،قبیلہ اور اپنا ملک وطن چھوڑا تھا۔پردیس میں خاوند کا سہارا تھا۔اس کی بے دینی سے وہ بھی جاتا رہا۔نبی کریم ﷺ نے ایسی صابرہ عورت کے ساتھ حبشہ ہی میں ۷ ہجری میں نکاح کیا،یعنی اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ۴۴ ہجری میں حضرت ام حبیبہؓ کا انتقال ہوگیا۔

۱۱) امّ المؤمنین حضرت میمونہ ؓ :

ان کے دو نکاح ہو چکے تھے۔اُن کی ایک بہن حضرت عباسؓ کے، ایک بہن حضرت حمزہؓ کے، ایک بہن حضرت جعفر طیارؓ کے گھر میں تھیں۔ ایک بہن حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے کہنے پر ۷ ہجری میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ۵۱ ہجری میں حضرت میمونہؓ کی وفات ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان ازواج مطہرات میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔باقی سب کا انتقال آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سب نکاح اُس آیت سے پہلے ہو چکے تھے، جس میں ایک مسلمان کے واسطے بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ (بشرطِ عدل) چار تک مقرر کی گئی ہے۔یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو دوسروں کے لئے حرام قرار دیا۔ جیسا کہ مضمون کے شروع میں گزر چکا ہے۔ نیز سورۃ احزاب ۵۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَٰجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے نکاح کرو، اگر چہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو۔یعنی آپ ﷺ کو ان ازواج مطہرات کے علاوہ (جن کی تعداد اس آیت کے نزول کے وقت ۹ تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔اس آیت کے نازل

ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح بھی نہیں کیا۔

یاد رکھیں کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تمام نکاح اللہ کے حکم سے ہی کئے۔ نیز عربوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کا عام رواج تھا۔ نیز صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس مرد کی طاقت دی گئی تھی۔ غور فرمائیں کہ چالیس مرد کی طاقت رکھنے کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے پوری جوانی اس بیوہ عورت کے ساتھ گزاردی جو پہلے دو شادیاں کرچکی تھی، نیز اُن کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔ اسکے بعد تین چار سال ایک دوسری بیوہ حضرت سودہؓ کے ساتھ گزاردئے۔ اس طرح ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی بیوہ عورت رہی۔

۵۰ سے ۶۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے چندنکاح کئے جن کے چند سیاسی ودینی واجتماعی اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱) خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ، خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے آپ ﷺ نے نکاح کئے۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اور خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا۔ غرضیکہ نکاح کے ذریعہ (آپکی وفات کے بعد آنے والے) چاروں خلفاء کے ساتھ دامادیا سسر کا رشتہ قائم ہوگیا۔ جس سے صحابہ کے درمیان تعلق مضبوط اور مستحکم ہوا، اور امت میں اتحاد واتفاق پیدا ہوا۔

۲) جنگوں میں بعض صحابۂ کرام شہید ہوئے یا کفار مکہ نے مسلمان عورتوں کو طلاق دیدی تو نبی اکرم ﷺ نے اُن بیوہ یا مطلقہ عورتوں پر شفقت وکرم کا معاملہ فرمایا، اوران سے نکاح کرلیا

تاکہ ان بیوہ یا مطلقہ عورتوں کو کسی حد تک دلی تسکین مل سکے۔ نیز انسانیت کو بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دی۔

۳) نبی اکرم ﷺ نے سارے نکاح بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے کئے۔ لیکن صرف ایک نکاح کنواری لڑکی حضرت عائشہ ؓ سے کیا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر مسائل سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی۔ عربی میں محاورہ ہے: (اَلْعِلْمُ فِي الصِّغَرِ كَالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ) چھوٹی عمر میں علم حاصل کرنا پتھر پر نقش کی طرح ہوتا ہے۔ تقریباً ۲۲۱۰ احادیث حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے ۴۷ سال بعد حضرت عائشہ ؓ کا انتقال ہوا۔ یعنی نبی ﷺ کی وفات کے بعد ۴۷ سال تک علم نبوت کو امت محمدیہ تک پہونچاتی رہیں۔

۴) یہود و نصاریٰ میں سے جو حضرات مسلمان ہوئے، ان کے ساتھ آپ ﷺ نے شفقت و رحمت کا معاملہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت صفیہ ؓ مسلمان ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کیا، اور ان کی رضامندی پر آپ ﷺ نے ان سے شادی کی۔ اسی طرح حضرت ماریہ ؓ جو عیسائی تھیں، ایمان لائیں تو آپ ﷺ نے ان کو عزت دیکر اپنے ساتھ رکھا۔ آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم ؓ حضرت ماریہ ؓ سے ہی پیدا ہوئے۔

غرض نبی اکرم ﷺ نے مرد ہونے کی حیثیت سے صرف ایک نکاح کیا، اور وہ حضرت خدیجہ ؓ سے کیا۔ اور پوری جوانی انہیں بیوہ عورت کے ساتھ گزاردی۔ البتہ باقی نکاح رسول ہونے کی حیثیت سے کئے۔ جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی اولاد

نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ سے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی، سوائے آپ کے بیٹے ابراہیمؓ جو حضرت ماریہ قبطیہؓ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے ۳ بیٹے : ۱۔ قاسمؓ ۲۔ عبداللہؓ ۳۔ ابراہیمؓ

قاسمؓ: مکہ مکرمہ میں نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ دو سال چھ ماہ کے ہوئے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ قاسمؓ ۷ ماہ کی عمر میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔انہیں کی طرف نسبت کر کے آپ ﷺ کو ابوالقاسم کہا جاتا ہے۔

عبداللہؓ: مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ ۴ سال سے کم عمر ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ ان کو طیب، طاہر بھی کہا جاتا ہے۔ان ہی کی موت پر کسی شخص نے آپ ﷺ کو ابتر کہا (وہ شخص جسکی کوئی اولاد نہ ہو)، تو سورۃ الکوثر نازل ہوئی، جسمیں اللہ تعالی نے فرمایا کہ تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

ابراہیمؓ: ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۸ ہجری میں ہوئی۔ ابراہیمؓ کی پیدائش پر آپ ﷺ اور صحابۂ کرام بہت خوش ہوئے۔ سات دن کے ہونے پر آپ ﷺ نے ان کا عقیقہ کیا، بال منڈوائے، بالوں کے وزن کے برابر مسکینوں کو صدقہ دیا، اور بالوں کو دفن کر دیا۔ ۱۰ ہجری میں ۱۶ یا ۱۸ ماہ کی عمر میں بیماری کی وجہ سے ابراہیمؓ کا انتقال ہوگیا۔ ابراہیمؓ کے انتقال پر آپ ﷺ کافی رنجیدہ، مغموم ہوئے۔ مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان (البقیع) میں مدفون ہیں۔انہیں کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا، لوگوں نے سمجھا کہ ابراہیمؓ کی موت کی وجہ سے یہ سورج گرہن ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی زندگی یا موت پر انہیں گرہن نہیں لگتا۔

نبی اکرم کی چار بیٹیاں:

۱۔ زینبؓ ۲۔ رقیہؓ ۳۔ ام کلثومؓ ٤۔ فاطمہؓ

آپ ﷺ کی تین بیٹیاں آپ کی حیاتِ مبارک ہی میں انتقال فرما گئیں، البتہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوا۔ چاروں بیٹیاں مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان (البقیع) میں مدفون ہیں۔

زینبؓ : آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۰ سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو العاص بن ربیعؓ تھے۔ ان سے دو بچے علیؓ اور امامہؓ پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ کافی دنوں تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہیں۔ جب اسلام نے مشرکین کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام قرار دیا تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر سے اپنے والد کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی، کیونکہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ کافی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گزر کر مدینہ منورہ اپنے والد کے پاس پہونچیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت ابو العاص بن ربیعؓ بھی ایمان لے آئے، آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کا حضرت ابو العاص بن ربیعؓ کے ساتھ دوبارہ نکاح کردیا۔ لیکن مدینہ منورہ پہونچکر حضرت زینبؓ صرف ۷ یا ۸ ماہ ہی حیات رہیں، چنانچہ ۳۰ سال کی عمر میں ۸ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔

رقیہؓ : آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۳ سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو باپ کے کہنے پر عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دیدی۔ پھر ان کی

شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ ان سے ایک بیٹا عبداللہؓ پیدا ہوا جو بچپن میں ہی انتقال فرما گیا۔ حضرت رقیہؓ ۲ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔ انتقال کے وقت حضرت رقیہؓ کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔

ام کلثومؓ: آپ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کے کہنے پر اس بیٹے نے بھی حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دیدی۔حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد، ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ ۹ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔ انتقال کے وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی۔حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس کوئی دوسری لڑکی (غیر شادی شدہ) ہوتی تو میں اسکا نکاح بھی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیتا۔

فاطمہ الزہراءؓ: آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۵یا۴۱ سال تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح مدینہ منورہ میں حضرت علیؓ بن طالب کے ساتھ ہوا۔سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کی تسبیحات' حضرت فاطمہؓ کی دن بھر کی تھکان کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے۔نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ ۲۳یا۲۹ سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت النبی ﷺ کی اولاد: حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ، اور ام کلثومؓ

حضرت حسنؓ: رمضان ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔حضرت حسنؓ سر سے سینے تک نبی اکرم ﷺ کے مشابہ تھے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام حسن نام کو جنت کے ریشم میں لپیٹ کر نبی

اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے تھے۔ امیر حسین، حسن سے ماخوذ ہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۴۱ ہجری میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور ان کو امیر المؤمنین کا لقب دیا گیا۔ ربیع الاول ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس طرح حضرت حسنؓ ۶ ماہ اور ۴۰ دن امیر المؤمنین رہے۔ حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا ۴۰ دن تک زہر سے متاثر رہے اور ربیع الاول ۴۹ ہجری میں انتقال فرما گئے۔ مدینہ منورہ (البقیع) میں مدفون ہیں۔

حضرت حسینؓ: ۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ کا بھی عقیقہ کیا۔ حضرت حسینؓ سینے سے ٹانگوں تک نبی اکرم ﷺ کے مشابہ تھے۔ ۱۰ محرم الحرام، جمعہ کے دن، ۶۱ ہجری میں ملک عراق میں کوفہ شہر کے قریب میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت ام کلثومؓ: یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اہلیہ ہیں۔ ان سے حضرت زیدؓ اور حضرت رقیہؓ پیدا ہوئے۔

حضرت زینبؓ: ان کا نکاح، حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ بن ابی طالب کے ساتھ ہوا۔ ان سے جعفرؓ، عون الاکبرؓ، ام کلثومؓ اور علیؓ پیدا ہوئے۔

حضرت زینبؓ بنت النبی ﷺ کی اولاد: ۱۔ علیؓ ۲۔ امامہؓ

حضرت علی بن زینبؓ: ان کے والد حضرت ابو العاصؓ ہیں جو ان کی والدہ حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت امامہ بنت زینبؓ: نبی اکرم ﷺ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ نماز کے دوران کبھی کبھی وہ اپنے نانا کے کندھے پر بیٹھ جاتی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ان سے نکاح فرمایا تھا۔

جمعہ۔ فضائل، مسائل اور احکام

اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت سے ساری کائنات پیدا فرمائی اور ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ سات دن بنائے، اور جمعہ کے دن کو دیگر ایام پر فوقیت دی۔ جمعہ کے فضائل واہمیت میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہفتہ کے تمام ایام میں صرف جمعہ کے نام سے ہی قرآن میں سورہ نازل ہوئی ہے جسکی رہتی دنیا تک تلاوت ہوتی رہے گی ان شاء اللہ۔

سورۂ جمعہ کا مختصر بیان:

سورۂ جمعہ مدنی سورہ ہے۔اس سورہ میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورہ کی ابتدا اللہ جل شانہ کی تسبیح اور تعریف سے کی گئی ہے،جس میں اللہ تعالی کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) الملک (بادشاہ) حقیقی ودائمی بادشاہ، جسکی بادشاہت پر کبھی زوال نہیں ہے۔

(۲) القدوس (پاک ذات) جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

(۳) العزیز (زبردست) جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، ساری کائنات کے بغیر سب کچھ کرنے والا ہے۔

(۴) الحکیم (حکمت والا) اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی رسالت ونبوت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اُن کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ پھر یہود ونصاری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس سورہ کی آخری ۳ آیات میں نماز جمعہ کا تذکرہ ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے یعنی نماز کی اذان ہوجائے، تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی کرو۔اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ ﴿آیت ۹﴾

اور جب نماز ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ یعنی نماز تو صرف اسی جگہ ادا کرسکتے ہو لیکن ذکر ہر جگہ کرسکتے ہو۔ دیکھو مجھے بھول نہ جانا، کام کرتے ہوئے، محنت مزدوری ملازمت کرتے ہوئے ہر جگہ مجھے یاد رکھنا۔ ﴿آیت ۱۰﴾

جب لوگ سودا بکتا دیکھتے ہیں یا تماشہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، تو اُدھر بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ تو فرما دیجئے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور سودے سے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔ ﴿آیت ۱۱﴾

آخری آیت (نمبر ۱۱) کا شان نزول:

ابتدائے اسلام میں جمعہ کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دحیہ بن خلیفہ کا قافلہ ملک شام سے غلّہ لیکر مدینہ منورہ پہنچا۔ اُس زمانے میں مدینہ منورہ میں غلّہ کی انتہائی کمی تھی۔ صحابۂ کرام ؓ نے سمجھا کہ نماز جمعہ سے فراغت ہوگئی ہے اور گھروں میں غلّہ نہیں ہے، کہیں سامان ختم نہ ہوجائے چنانچہ خطبۂ جمعہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لئے چلے گئے۔ صرف ۱۲ صحابہ ؓ مسجد میں رہ گئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عراک بن مالک ؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوجاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ، وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ، وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِي فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ.

اے اللہ! میں نے تیری آواز پر حاضری دی، اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی، پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما، تو سب سے بہتر روزی رساں

ہے۔ (ابن ابی حاتم) تفسیر ابن کثیر

اس آیت کے پیش نظر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اذان جمعہ:

جس اذان کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی ایک اذان تھی۔ جب آپ حجرہ سے تشریف لاتے، منبر پر جاتے، تو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی۔ اس سے پہلے کی اذان حضور اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں نہیں تھی۔ حضرت عثمان بن عفان کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان (زوراء) پر کہلوائی تا کہ لوگ نماز کی تیاری میں مشغول ہو جائیں۔ زوراء مسجد کے قریب سب سے بلند مکان تھا۔

ایک اہم نقطہ:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا: جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے --- جب نماز سے فارغ ہو جائیں --- یہ اذان کس طرح دی جائے؟ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ نماز کس طرح ادا کریں؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کریم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا:

اس کے مختلف اسباب ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) جمعہ جمع سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جمع ہونا۔ کیونکہ مسلمان اس دن بڑی مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور امت مسلمہ کے اجتماعات ہوتے ہیں، اسلئے اس کو جمعہ کہا جاتا ہے۔

(۲) چھ دن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جمعہ کے دن مخلوقات کی تخلیق مکمل ہوئی یعنی ساری مخلوق اس دن جمع ہوگئی اس لئے اس دن کو جمعہ کہا جاتا ہے۔

(۳) جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، یعنی ان کو اس دن جمع کیا گیا۔

اسلام کا پہلا جمعہ:

یوم الجمعہ کو پہلے یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے اور سورۂ الجمعہ کے نزول سے قبل انصار صحابہ نے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ یہودی ہفتہ کے دن، اور نصاریٰ اتوار کے دن جمع ہوکر عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا سب نے طے کیا کہ ہم بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جمع ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو امامہؓ کے پاس جمعہ کے دن لوگ جمع ہوئے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ لوگوں نے اپنے اس اجتماع کی بنیاد پر اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ اس طرح سے یہ اسلام کا پہلا جمعہ ہے (تفسیر قرطبی)

نبی اکرم ﷺ کا پہلا جمعہ:

نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کے قریب بنو عمرو بن عوف کی بستی قبا میں چند روز کے لئے قیام فرمایا۔ قُبا سے روانہ ہونے سے ایک روز قبل جمعرات کے دن آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ جمعہ کے دن صبح کو نبی اکرم ﷺ قُبا سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہونچے تو جمعہ کا وقت ہوگیا، تو آپ ﷺ نے بطن وادی میں اُس مقام پر جمعہ پڑھایا جہاں اب مسجد (مسجد جمعہ) بنی ہوئی ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا پہلا جمعہ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

جمعہ کے دن کی اہمیت:

یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہیں ہوئی تھی، نصاریٰ

نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی تھی۔ اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ مسلم کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں ہوگا۔ (ابن کثیر)

جمعہ کے دن کی اہمیت کے متعلق چند احادیث:

☆ ۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن سارے دنوں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سارے دنوں میں سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن سے بھی زیادہ مرتبہ والا ہے۔ اس دن کی پانچ باتیں خاص ہیں:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

(۲) اسی دن اُن کو زمین پر اتارا۔

(۳) اسی دن اُن کو موت دی۔

(۴) اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اس میں جو چیز بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں بشرطیکہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔

(۵) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ، سمندر سب جمعہ کے دن سے گھبراتے ہیں کہ کہیں قیامت قائم نہ ہو جائے اس لئے کہ قیامت جمعہ کے دن ہی آئے گی۔ (ابن ماجہ)

☆ ۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورج کے طلوع وغروب والے دنوں میں کوئی بھی دن جمعہ کے دن سے افضل نہیں، یعنی جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے۔ (صحیح ابن حبان)

☆ ۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ جمعہ کے دن ارشاد فرمایا:

مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے اِس دن کو تمہارے لئے عید کا دن بنایا ہے لہذا اِس دن غسل کیا کرو اور مسواک کیا کرو۔ (طبرانی، مجمع الزوائد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے۔

☆……اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی سورۂ بروج میں ﴿وشاھد ومشھود﴾ کے ذریعہ قسم کھائی ہے۔شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے یعنی اِس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ جمعہ کا دن قیامت کے دن اُس کی گواہی دے گا۔

☆……رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے افضل نماز جمعہ کے دن فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ (طبرانی، بزار)

☆……جہنم کی آگ روزانہ دہکائی جاتی ہے مگر جمعہ کے دن اسکی عظمت اور خاص اہمیت وفضیلت کی وجہ سے جہنم کی آگ نہیں دہکائی جاتی۔ (زاد المعاد ۱ / ۳۸۷)

جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کی تعیین :

☆……رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا: اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں کوئی مسلمان نماز پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو عنایت فرمادیتا ہے اور ہاتھ کے اشارے سے آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ وہ ساعت مختصری ہے۔(بخاری)

☆……رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ گھڑی خطبہ شروع ہونے سے لیکر نماز کے ختم ہونے تک کا درمیانی وقت ہے۔ (مسلم)

☆……رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان بندہ جو مانگتا ہے اللہ اُس کو ضرور عطا فرماتے ہیں۔اور وہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے۔ (مسند احمد)

مذکورہ و دیگر احادیث کی روشنی میں جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کے متعلق علماء نے دو

چیزوں کی تحدید کی ہے:

(۱) دونوں خطبوں کا درمیانی وقت، جب امام منبر پر کچھ لمحات کے لئے بیٹھتا ہے۔

(۲) غروب آفتاب سے کچھ وقت قبل۔

نماز جمعہ کی فضیلت:

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں، جمعہ کی نماز پچھلے جمعہ تک اور رمضان کے روزے پچھلے رمضان تک درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جبکہ ان اعمال کو کرنے والا بڑے گناہوں سے بچے۔ (مسلم) یعنی چھوٹے گناہوں کی معافی ہوجاتی ہے۔

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر جمعہ کی نماز کے لئے آتا ہے، خوب دھیان سے خطبہ سنتا ہے اور خطبہ کے دوران خاموش رہتا ہے تو اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک ، اور مزید تین دن کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جلدی پہونچنا:

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرتا ہے یعنی اہتمام کے ساتھ پھر پہلی فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے اونٹنی قربان کی۔ جو دوسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے گائے قربان کی۔ جو تیسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے مینڈھا قربان کیا۔ جو چوتھی فرصت میں جاتا ہے گویا اس نے مرغی قربان کی۔ جو پانچویں فرصت میں جاتا ہے گویا اس نے انڈے سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔ پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل آتا ہے تو فرشتے خطبہ میں شریک ہوکر خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

یہ فرصت (گھڑی) کس وقت سے شروع ہوتی ہے، علماء کی چند آراء ہیں۔ مگر خلاصہ کلام یہ

ہے کہ حتی الامکان مسجد جلدی پہونچیں۔ اگر زیادہ جلدی نہ جاسکیں تو کم از کم خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت قبل ضرور مسجد پہونچ جائیں۔

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پہلے آنے والے کا نام پہلے، اس کے بعد آنے والے کا نام اس کے بعد لکھتے ہیں (اسی طرح آنے والوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں)۔ جب امام خطبہ دینے کے لئے آتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر (جن میں آنے والوں کے نام لکھے گئے ہیں) بند کردیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ (مسلم)

☆۔۔۔خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد مسجد پہونچنے والے حضرات کی نماز جمعہ تو ادا ہوجاتی ہے، مگر نماز جمعہ کی فضیلت اُن کو حاصل نہیں ہوتی۔

خطبۂ جمعہ:

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ نماز سے قبل دو خطبے دئے جائیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ جمعہ کے دن دو خطبے دئے۔ (مسلم)

دونوں خطبوں کے درمیان خطیب کا بیٹھنا بھی سنت ہے۔ (مسلم) منبر پر کھڑے ہوکر ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا سنت ہے۔

دورانِ خطبہ کسی طرح کی بات کرنا حتی کہ نصیحت کرنا بھی منع ہے۔

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے روز دورانِ خطبہ اپنے ساتھی سے کہا (خاموش رہو) اس نے بھی لغو کام کیا۔ (مسلم)

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا یعنی دورانِ خطبہ

اُن سے کھیلتا رہا(یا ہاتھ، چٹائی، کپڑے وغیرہ سے کھیلتا رہا) تو اس نے فضول کام کیا(اور اس کی وجہ سے جمعہ کا خاص ثواب ضائع کر دیا)۔ (مسلم)

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی)
(آدمی اپنے گھٹنے کھڑے کر کے رانوں کو پیٹ سے لگا کر دونوں ہاتھوں کو باندھ لے تو اسے گوٹھ مارنا کہتے ہیں)۔

☆۔۔۔حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹھ جا تو نے تکلیف دی اور دیر کی۔ (صحیح ابن حبان)

نوٹ: جب امام خطبہ دے رہا ہو تو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانا منع ہے، بلکہ پیچھے جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔

جمعہ کی نماز کا حکم:

☆۔۔۔ جمعہ کی نماز ہر اُس مسلمان، صحت مند، بالغ، مرد کے لئے ضروری ہے جو کسی شہر یا ایسے علاقے میں مقیم ہو جہاں روزمرہ کی ضروریات مہیا ہوں۔ معلوم ہوا کہ عورتوں، بچوں، مسافر اور مریض کے لئے جمعہ کی نماز ضروری نہیں ہے۔ البتہ عورتیں، بچے، مسافر اور مریض اگر جمعہ کی نماز میں حاضر ہو جائیں تو نماز ادا ہو جائیگی۔ ورنہ ان حضرات کو جمعہ کی نماز کی جگہ ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔

☆۔۔۔ اگر آپ صحراء میں ہیں جہاں کوئی نہیں، یا ہوائی جہاز میں سوار ہیں تو آپ ظہر کی نماز ادا فرمالیں۔

☆۔۔۔ نمازِ جمعہ کی دو رکعت فرض ہیں، جس کے لئے جماعت کی نماز شرط ہے۔ جمعہ کی دونوں رکعت میں جہری قراءت ضروری ہے۔ نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ، یا

سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون کی تلاوت کرنا مسنون ہے۔

جمعہ کے چند سنن و آداب:

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب یا سنت مؤکدہ ہے، یعنی عذر شرعی کے بغیر جمعہ کے دن کے غسل کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ پاکی کا اہتمام کرنا، تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، اور حسب استطاعت اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔

☆۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن کا غسل گناہوں کو بالوں کی جڑوں تک سے نکال دیتا ہے۔ یعنی صغائر گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بڑے گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اگر صغائر گناہ نہیں ہیں تو نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

☆۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، جتنا ہو سکے پاکی کا اہتمام کرتا ہے اور تیل لگاتا ہے یا خوشبو استعمال کرتا ہے، پھر مسجد جاتا ہے، مسجد پہنچ کر جو دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں نہیں بیٹھتا اور جتنی توفیق ہو جمعہ سے پہلے نماز پڑھتا ہے، پھر جب امام خطبہ دیتا ہے اس کو توجہ اور خاموشی سے سنتا ہے تو اس شخص کے اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ (بخاری)

☆۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر مسجد میں آیا، اور جتنی نماز اس کے مقدر میں تھی ادا کی، پھر خطبہ ہونے تک خاموش رہا اور امام کے ساتھ فرض نماز ادا کی، اس کے جمعہ سے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

☆۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، اگر خوشبو ہو تو اسے بھی استعمال کرتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے، اس کے بعد مسجد جاتا ہے، پھر مسجد آکر اگر موقع ہو تو نفل نماز پڑھ لیتا ہے اور کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتا۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے

آتا ہے اس وقت سے نماز ہونے تک خاموش رہتا ہے یعنی کوئی بات چیت نہیں کرتا تو یہ اعمال اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہو جاتے ہیں۔(مسند احمد)

سنن جمعه:

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سے قبل بابرکت گھڑیوں میں جتنی زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ سکیں پڑھیں۔کم از کم خطبہ شروع ہونے سے پہلے چار رکعتیں تو پڑھ ہی لیں جیسا کہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۱) میں مذکور ہے:مشہور تابعی حضرت ابراہیم ؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے(نماز پیمبر ۲۷۹)

نماز جمعہ کے بعد دو رکعتیں یا چار رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھیں، یہ تینوں عمل نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام سے ثابت ہیں۔بہتر یہ ہے کہ چھ رکعت پڑھ لیں تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے اور چھ رکعتوں کا ثواب بھی مل جائے۔اسی لئے علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھی جائیں، اور حضرات صحابۂ کرام سے چھ رکعات بھی منقول ہیں۔ (مختصر فتاوی ابن تیمیہ،صفحہ ۷۹)

(نماز پیمبر صفحہ ۲۸۱)

☆.....رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس کے بعد ۴ رکعتیں پڑھے۔ (مسلم)

☆.....حضرت سالم ؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (مسلم)

☆.....حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبداللہ ؓ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ جس مصلّی پر آپ نے جمعہ پڑھا اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے تھے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو کتنی مرتبہ ایسا کرتے دیکھا؟ انھوں نے فرمایا کہ بہت مرتبہ۔

(ابو داؤد)

نمازِ جمعہ چھوڑنے پر وعیدیں:

☆۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے نمازِ جمعہ نہ پڑھنے والوں کے بارے میں فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر جمعہ نہ پڑھنے والوں کو اُن کے گھروں سمیت جلا ڈالوں۔ (مسلم)

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔

(مسلم)

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین جمعہ غفلت کی وجہ سے چھوڑ دیے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابو داؤد)

جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانا:

☆۔۔۔حضرت یزید بن ابی مریم ؒ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جا رہا تھا کہ حضرت عبایہ بن رافع ؒ مجھے مل گئے اور فرمانے لگے تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارے یہ قدم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہیں۔ میں نے ابو عبس ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے تو وہ قدم جہنم کی آگ پر حرام ہیں۔ (ترمذی) اسی مضمون کی روایت کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔

جمعہ کے دن یا رات میں سورۂ کہف کی تلاوت:

☆۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورۂ کہف کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا،

آئندہ جمعہ تک اس کے لئے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی (نسائی، بیہقی، حاکم)۔

☆۔۔۔سورۂ کہف کے پڑھنے سے گھر میں سکینت وبرکت نازل ہوتی ہے۔حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدکنا شروع ہوگیا، انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔صحابیؓ نے اس واقعہ کا ذکر جب نبی اکرم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ کہف پڑھا کرو۔ قرآن کریم پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری فضل سورۃ الکہف۔ مسلم، کتاب الصلاۃ)

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی خاص فضیلت:

☆۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس دن کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود پڑھنا مجھے پہونچایا جاتا ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان)

☆۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کثرت سے درود پڑھا کرو، جو ایسا کرے گا قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (بیہقی)

جمعہ کے دن یا رات میں انتقال کرجانے والے کی خاص فضیلت:

☆۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرجائے، اللہ تعالیٰ اُس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمادیتے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی)

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ

دنیا میں ہر انسان کی زندگی طے شدہ ہے۔ وقت معین آنے کے بعد ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ مقررہ وقت پر اس دنیا سے قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ جب ان کا وقت آپہنچا پھر ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ ﴿ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا ہے۔ ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

انتقال کے بعد جتنی جلدی ہوسکے میت کو غسل وکفن کے بعد اس کی نماز جنازہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر وہ چار لوگ بھی پڑھ لیں تو فرض ادا ہوجائیگا۔ لیکن جس قدر بھی زیادہ آدمی ہوں اسی قدر میت کے حق میں اچھا ہے کیونکہ نہ معلوم کس کی دعا لگ جائے اور میت کی مغفرت ہوجائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ اگر کسی جنازہ میں ۱۰۰ مسلمان شریک ہوکر اس میت کے لئے شفاعت کریں (یعنی نماز جنازہ پڑھیں) تو ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (مسلم)

☆ اگر کسی مسلمان کے انتقال پر ایسے ۴۰ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں، اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت (دعا) کو میت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ (مسلم)

نماز جنازہ کی اتنی فضیلت ہونے کے باوجود، انتہائی افسوس اور فکر کی بات ہے کہ باپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا ہوا ہے اور بیٹا نماز جنازہ میں اس لئے شریک نہیں ہورہا ہے کہ اس کو

جنازہ کی نماز پڑھنی نہیں آتی ۔ حالانکہ جنازہ کی دعا اگر یاد نہیں ہے تب بھی نماز جنازہ میں ضرور شریک ہونا چاہئے تاکہ جو رشتہ دار یا دوست یا کوئی بھی مسلمان اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر رہا ہے، اس کے لئے ایک ایسے اہم کام (نماز جنازہ کی ادائیگی) میں ہماری شرکت ہو جائے جو اُس کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے ۔

نماز جنازہ میں چار تکبیریں (یعنی چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا) ضروری ہیں، جن کی ترتیب اس طرح سے ہے:

پہلی تکبیر کے بعد: ثنا (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ) پڑھ لیں ۔

دوسری تکبیر کے بعد: درود شریف پڑھ لیں ۔

تیسری تکبیر کے بعد: جنازہ کی دعا پڑھیں ۔ (احادیث میں دعا کے مختلف الفاظ مذکور ہیں، یاد نہ ہونے پر صرف اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ پڑھ لیں)

چوتھی تکبیر کے بعد: سلام پھیر دیں ۔

مسائل متفرقہ:

☆ نماز جنازہ میں تکبیر اولی کے وقت یقیناً دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں گے البتہ دوسری، تیسری اور چوتھی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے یا نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، ان شاء اللہ دونوں شکلوں میں کامل نماز ادا ہوگی ۔

☆ اگر نماز جنازہ میں ایک، دو یا تین تکبیر چھوٹ گئی ہیں، تو صف میں کھڑے ہوکر امام کی اگلی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہہ کر جماعت میں شریک ہو جائیں ۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد صرف چھوٹی ہوئی تکبیریں (یعنی اللہ اکبر) کہہ کر جلدی سے سلام پھیر دیں، کیونکہ چار تکبیریں کہنے پر نماز جنازہ ادا ہو جائے گی، ان شاء اللہ ۔

☆ حرمین میں تقریباً ہر نماز کے بعد جنازہ کی نماز ہوتی ہے، لہذا فرض نماز سے فراغت کے بعد فوراً ہی سنن یا نوافل کی نیت نہ باندھیں، بلکہ تھوڑی دیر انتظار کرلیں، کیونکہ نمازِ جنازہ پڑھنے والے کو بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے جنازے میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے ساتھ چلا یہاں تک کہ اسکی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسکو دفن کرنے میں بھی شریک رہا تو وہ دو قیراط اجر (ثواب) لیکر لوٹتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ اور جو شخص نمازِ جنازہ میں شریک ہوا مگر تدفین سے پہلے ہی واپس آگیا تو وہ ایک قیراط اجر (ثواب) کے ساتھ لوٹتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

☆ جنازہ کی نماز مسجد کے باہر کسی میدان میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ مسجد کے باہر جگہ نہ ملنے کی صورت میں مسجد میں بھی نمازِ جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔ حرمین میں بغیر کسی کراہیت کے نمازِ جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ حرمین میں خواتین بھی نمازِ جنازہ میں شریک ہوسکتی ہیں۔

☆ نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے لئے طہارت یعنی کپڑوں اور بدن کا پاک ہونا، اسی طرح وضو کا ہونا ضروری ہے۔

☆ نمازِ جنازہ میں اگر لوگ کم ہوں تب بھی تین صفوں میں لوگوں کا کھڑا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ احادیث میں جنازہ کی تین صفوں کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (ابو داؤد)

☆ دیگر نمازوں کی طرح مذکورہ تین اوقات میں نمازِ جنازہ بھی پڑھنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے:

۱) طلوعِ آفتاب کے وقت۔ ۲) زوال کے وقت۔ ۳) سورج ڈوبنے کے وقت

☆ اگر جوتے ناپاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز جنازہ ادا نہیں کی جاسکتی۔

☆ جنازہ کی نماز میں تکبیر کہتے ہوئے آسمان کی طرف منہ اٹھانا بے اصل ہے۔

☆ اگر کسی مسلمان کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کردیا گیا ہو تو جب تک نعش کے پھٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ کافر شخص کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی، اسی طرح غسل یا کفن کا اہتمام بھی کافر شخص کے لئے نہیں ہے۔

☆ جس شہر یا جس علاقہ میں انتقال ہوا ہے اسی جگہ میت کو دفن کرنا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں میت کو منتقل کر کے وہاں دفن کرنا جائز ہے۔

☆ جو حضرات جنازہ کے ساتھ قبرستان جارہے ہیں، ان کو قبرستان میں جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

☆ جنازہ کو قبرستان کی طرف تھوڑا تیز چل کر لے جانا بہتر ہے۔ جنازے کے دائیں بائیں پیچھے آگے ہر طرف چل سکتے ہیں۔ البتہ آگے چلنے کے مقابلے میں جنازہ کے پیچھے چلنا زیادہ بہتر ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایک دو دن میت کے گھر کھانا بھیجنا اخلاق حسنہ کا ایک نمونہ ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)۔ البتہ میت کے گھر والوں کا رشتہ داروں کو جمع کر کے ان کو کھانا کھلانے کا خاص انتظام کرنا غلط ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ ۱۶۱۲۔ مسند احمد ۶۹۰۵)

نوحہ گری:

کسی رشتہ دار کے انتقال پر دل یقیناً غمگین ہوتا ہے۔ آنکھ سے آنسو بھی بہتے ہیں۔ مگر بآواز

بلند اور مختلف لہجوں کے ساتھ رونے سے گریز کیا جائے کیونکہ اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نوحہ گری کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: گھر والوں کے زیادہ رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔(مسلم: اَلْمَیِّتُ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھْلِه)

غائبانہ نماز جنازہ :

اگر کوئی مسلمان ایسے علاقہ میں فوت ہوجائے جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی تو ایسے شخص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔شاہ حبشہ نجاشی فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہیں تھا،لہٰذا خود حضور اکرم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس واقعہ کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نبی اکرم ﷺ نے نہیں پڑھی۔آپ ﷺ کے بہت سے جاں نثار صحابہؓ قراءصحابہؓ ،آپ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ،آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ ان سب کا انتقال حالت سفر میں ہوا۔آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں خبر ملی تو آپ ﷺ نے انکی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اسی لئے علامہ ابن القیمؒ اپنی کتاب (زادالمعاد ج ۱،ص۵۲۰) میں لکھتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جاچکی ہے اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانیؒ نے اپنی کتاب (تلخیص احکام الجنائز ص ۴۸) میں لکھا ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ ادا کی جاچکی ہے اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی،کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین میں سے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔نماز پڑھے قبل اس کے کہ آپ کی نماز پڑھی جائے۔ عقلمند شخص وہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنے مرنے کی تیاری کرلے۔

روزہ کیا ھے؟

روزہ کو عربی میں صوم کہتے ہیں، اس کے لفظی معنی کسی چیز سے رُک جانا اور اُس کو ترک کر دینا ہے۔ شرعی اصطلاح میں صوم (روزہ) سے مراد یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے رُکا رہے۔

روزہ کی قسمیں۔ روزہ کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ فرض مُعَیَّن: سال بھر میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک کے روزے فرض معین ہیں۔ اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور بغیر عذر کے ترک کرنے والا فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔

۲۔ فرض غیر معین: اگر رمضان المبارک کے روزے کسی عذر یا محض غفلت سے رہ جائیں تو اُن کی قضا رکھنا بھی فرض ہے۔ قضا کے یہ روزے فرض غیر معین ہیں یعنی جب موقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد رکھ لیں۔

۳۔ واجب معین: کسی خاص دن یا خاص تاریخوں کے روزے رکھنے کی منت ماننے سے اُس دن یا اُن تاریخوں کے روزے واجب معین ہو جاتے ہیں کہ اُن کا اُسی دن یا انہی تاریخوں پر رکھنا واجب ہے۔

۴۔ واجب غیر معین: کفارہ کے روزے، اور غیر معین نذر کے روزے واجب غیر معین ہیں مثلاً کسی شخص نے کہا کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں تین روزے رکھوں گا، تو اس کام کے ہونے پر اسے تین روزے رکھنے ہوں گے، لیکن وہ یہ تین روزے کبھی بھی رکھ سکتا ہے۔

۵۔ مسنون یا نفلی روزے: جن دنوں کے روزے رسول اللہ ﷺ نے رکھے ہیں یا جن کے روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ انہیں مسنون یا نفلی روزے کہا جاتا ہے، اور ان کے رکھنے

کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

مسنون یا نفلی روزے حسب ذیل ہیں:

☆ ماہِ محرم اور عاشورہ کے روزے: یعنی محرم کی نویں اور دسویں، یا دسویں اور گیارھویں تاریخ کے روزے، یا صرف دسویں تاریخ کا روزہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماہِ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے ماہِ محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن روزہ رکھے گا تو یہ اس کے لئے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ (مسلم) حضور اکرم ﷺ کی خواہش کو سامنے رکھ کر صحابۂ کرام نے عاشورہ کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا کہ ۹ یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ ملا کر رکھا جائے، تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

☆ یوم عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ ماہِ شوال کے چھ روزے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اُس کے بعد چھ دن شوال کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے گویا اُس نے سال بھر روزے رکھے۔ (مسلم) یہ چھ روزے عید کے بعد لگاتار بھی رکھے جا سکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی رکھے جا سکتے ہیں۔

☆ ماہِ شعبان کے روزے: نبی اکرم ﷺ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ (بخاری) آپ ﷺ کا تقریباً شعبان کا پورا ماہ روزے میں گزرتا تھا۔

☆ ۱۵ شعبان کے روزے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ اس دن روزہ رکھنے کی

کوئی خاص فضیلت ہے یا نہیں۔

☆ پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ: رسول اللہ ﷺ خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور صحابۂ کرام ؓ کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کو اعمال دربارِ الٰہی میں پیش کئے جاتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوں تو میں روزے سے رہوں۔ (ترمذی)

☆ ایام بیض یعنی چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کے روزے: رسول اللہ ﷺ ان روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ تین روزے اجر و ثواب کے لحاظ سے پورے سال کے روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ (مسلم)

☆ صومِ داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) نفل روزوں میں افضل روزہ ہے۔ (مسلم)

مکروہ روزے: مندرجہ ذیل روزے مکروہ ہیں:

۱۔ صرف جمعہ یا ہفتہ کے دن روزہ رکھنا۔ (البتہ اوپر ذکر کئے گئے مسنون روزہ ان دنوں میں رکھے جاسکتے ہیں)۔

۲۔ عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنا۔

۳۔ شعبان کے آخری دو یا تین دن میں روزے رکھنا۔

حرام روزے: سال بھر میں مندرجہ ذیل پانچ روزے حرام ہیں:

۱۔ عیدالفطر کے دن کا روزہ۔

۲۔ عیدالاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

۳۔ ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کے تین روزے۔

تحفۂ رمضان

رمضان کیا ھے؟

رمضان کا مہینہ قمری مہینوں میں نواں مہینہ ہے ۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رمضان رمض سے مشتق ہے، اور رمض کے لغوی معنی جلا دینے کے ہیں۔ چونکہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک وصاف کردیتا ہے، اس لئے اس کا نام رمضان ہوا۔

صوم (روزہ) کے لفظی معنی امساک یعنی رکنے اور بچنے کے ہیں، اور اصطلاحِ شرع میں "طلوعِ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رکنے کا نام صیام ہے"۔ اور نیت اصل میں دل کے ارادہ کا نام ہے، لہٰذا زبان سے روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ کرلیں تو بہتر ہے۔

رمضان اور روزہ :

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ يٰٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تا کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ ۱۸۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک مثال سے دیا ہے کہ روزہ کی فرضیت صرف تمہارے ساتھ خاص نہیں بلکہ پچھلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، اس سے روزہ کی خاص اہمیت معلوم ہوئی۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں اشارہ ہے کہ تقوی کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کا بڑا اثر ہے کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، اور یہی تقوی کی بنیاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انسان کے ہر (نیک) عمل کا بدلہ ۱۰ گنا

سے لے کر ۷۰۰ گنا تک دیا جاتا ہے، لیکن روزہ کا بدلہ میں خود ہی عطا کروں گا کیونکہ وہ میرے لئے ہے۔ دوسری روایت کے مطابق میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔ انسان کھانے پینے اور جنسی شہوت سے صرف میری وجہ سے رکا رہتا ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں، ایک (وقتی) افطار کے وقت اور دوسری (دائمی) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت۔ (بخاری ومسلم) غرضیکہ اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ روزہ کا بدلہ خود ہی عطا فرمائے گا، اور اتنا بدلہ دے گا کہ اس کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رمضان کی اہمیت اور اس کی فضیلت:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان شریف کے متعلق میری امت کو خاص طور پر پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں:

(۱) روزہ دار کے منہ کی بو (جو بھوک کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۲) ان کے لئے دریا کی مچھلیاں افطار کے وقت تک دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں۔

(۳) جنت ہر روز ان کے لئے سجائی جاتی ہے۔

(۴) اس ماہ مبارک میں سرکش شیاطین قید کردئے جاتے ہیں۔

(۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا یہ شب مغفرت شب قدر ہی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی اسے مزدوری دے دی جاتی ہے۔ (مسند احمد، بزاز، بیہقی)

☆ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں سے جہنم کے قیدی چھوڑے جاتے ہیں اور ہر مسلمان کی ہر شب و روز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ (بزاز، الترغیب والترہیب)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی اور تیسرے مظلوم کی۔ (مسند احمد، ترمذی، صحیح ابن حبان)

☆ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب تیسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین۔ پھر جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہونچے اور وہ اسکو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا آمین۔ (بخاری، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، ترمذی، بیہقی)

رمضان اور قرآن کریم :

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، حضور اکرم ﷺ کا رمضان شریف میں تلاوت قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان شریف میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن کریم کا دور کرانا، تراویح میں ختم قرآن کا مسنون ہونا، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کا

رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور اس خصوصیت کو بتلاتے ہیں۔ لہذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوت قرآن میں مشغول رہنا چاہئے۔

تلاوت قرآن پاک کے ساتھ قرآن کریم کو علماء کرام کی صحبت میں رہ کر سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے خواہ روزانہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقفیت کے بعد اس پر عمل کرنا اور اس کو دوسروں تک پہونچانا ہمارے لئے آسان ہو۔

رمضان اور تراویح:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جوشخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

نوٹ: تراویح کی تعداد رکعات میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ۲۰ یا ۸ رکعات۔ البتہ یہ بات سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے آج تک یعنی ۱۴۰۰ سال سے ۲۰ رکعت تراویح سے کم نہیں پڑھی گئیں، جیسا کہ مدینہ منورہ کے سابق قاضی اور مسجد نبوی کے مدرس شیخ عطیہ محمد سالمؒ نے اپنی کتاب ﴿التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبوی﴾ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، لہذا ۲۰ رکعت ہی کا اہتمام کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

سحری:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔ (طبرانی، صحیح ابن حبان) متعدد احادیث میں رات کے آخری وقت میں سحری کھانے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک دو لقمے کھانے سے بھی سحری کی فضیلت

حاصل ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

افطار کے لئے کھجور یا پانی بہتر ہے :

☆ حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے روزہ افطار کرے، کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی نہایت پاکیزہ چیز ہے۔(ترمذی)

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجور بھی نہ ہوتی تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

روزہ افطار کرانے کا ثواب :

☆ حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اُس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد)

☆ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا --- اور اس میں یہ بھی فرمایا:

جس شخص نے اس رمضان المبارک کے مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے روزہ) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے -------- آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اُس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ

سے کسی کا روزہ افطار کرادے۔۔۔۔۔ (بیہقی۔شعب الایمان)

رمضان اور شب قدر:

رمضان کی راتوں میں ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی خیر اور برکت کی رات ہے۔جس میں عبادت کرنے کو قرآن کریم (سورۃ القدر) میں ہزار مہینوں سے افضل بتایا گیا ہے۔ہزار مہینے کے ۸۳ برس اور ۴ ماہ ہوتے ہیں۔گویا اس رات کی عبادت پوری زندگی کی عبادت سے بہتر ہے۔ سورۃ القدر کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے:

بے شک ہم نے قرآن پاک کو شب قدر میں اتارا ہے یعنی قرآن شریف کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں اتارا ہے۔آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے۔یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے، کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔یعنی ہزار مہینوں تک عبادت کرنے کا جتنا ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر کی عبادت کا ہے، اور کتنا زیادہ ہے؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔اس رات میں فرشتے اترتے ہیں۔اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں۔اور یہ خیر و برکت فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف راتوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اُس جگہ اُسی رات میں شب قدر کی برکات حاصل ہوں گی ان شاء اللہ۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) کھڑے ہونے کا مطلب: نماز پڑھنا،

تلاوت قرآن اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہونا ہے۔ ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عمل کیا جائے۔

☆ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے، جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا سارے ہی خیر سے محروم رہ گیا، اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتہً محروم ہی ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ (بخاری) (مذکورہ حدیث کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں راتوں میں کرنا چاہئے)۔

☆ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: پڑھو: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (اے اللہ! تو بیشک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس معاف فرما دے مجھے بھی)۔ (مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

رمضان اور اعتکاف:

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر محلہ کی مسجد میں ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں تو پورے محلّہ کی طرف سے ذمہ داری ادا ہوجائے گی۔ آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے بیس رمضان کو سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اعتکاف کا اصل مقصد شب قدر کی عبادت کو حاصل کرنا ہے، جسکی عبادت ہزار مہینوں کی

عبادت سے افضل ہے۔ حضور اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال پورے ماہ رمضان کا اعتکاف فرمایا، جبکہ آخری رمضان میں آپ ﷺ نے ۲۰ روز کا اعتکاف فرمایا۔

رمضان کا اہتمام نہ کرنے والوں کے لئے:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے (شرعی) اجازت اور مرض کی (مجبوری) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا، (اگر وہ ساری) عمر (بھی) روزے رکھے تب بھی اس کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابو داؤد)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ (ابن ماجہ، نسائی)

اِس مبارک ماہ میں مندرجہ ذیل اعمال کا خاص اہتمام کرنا چاہئے:

☆ فرض نمازوں کا اہتمام۔

☆ دن میں روزہ رکھنا۔

☆ نمازِ تراویح کی ادائیگی۔

☆ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام۔

☆ اگر مال میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ کی ادائیگی، کیونکہ رمضان میں ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

☆ حسبِ سہولت عمرہ کی ادائیگی۔ کیونکہ رمضان میں عمرہ کی ادائیگی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے (حدیث)۔

☆ سنت اور نفل نمازوں کی پابندی۔

☆ نمازِ تہجد کی ادائیگی، خاص کر آخری عشرہ میں۔

☆ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف، اگر سہولت سے ممکن ہو۔

☆ دعاؤں کا اہتمام۔

☆ اللہ کا ذکر اور دیگر نیک اعمال کی پابندی۔

☆ دوسروں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

☆ گناہوں سے بچنا اور دوسروں کو بھی حکمت کے ساتھ منع کرنا۔

☆ رمضان کے آخر یا عید الفطر کی صبح کو صدقۂ فطر کی ادائیگی۔

روزہ سے متعلق چند اہم مسائل:

☆ حیض اُس خون کا نام ہے جو عورت کو عموماً ہر ماہ کم از کم ۳ دن، اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ دن تک آتا ہے۔

☆ نفاس اُس خون کا نام ہے جو عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد زیادہ سے زیادہ ۴۰ دن تک آتا ہے۔

☆ اِن دونوں حالتوں میں عورت روزہ نہیں رکھ سکتی بلکہ اُس کو رمضان کے بعد اِن دونوں حالتوں میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہوگی۔ روزہ کا فدیہ دینا کافی نہیں ہوگا۔

☆ نماز اور روزہ میں تھوڑا فرق ہے کہ اِن دونوں حالتوں میں عورتوں کے لئے نماز بالکل ہی معاف ہے، یعنی نماز کی کوئی قضا بھی نہیں ہے لیکن رمضان کے روزہ کی بعد میں قضا ہے۔

☆ ان دونوں حالتوں میں عورت تلاوت قرآن بھی نہیں کرسکتی البتہ اللہ کا ذکر کرسکتی ہے۔

☆ حیض ونفاس کا خون شروع ہوجانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔یعنی روزہ رکھنے کے بعد اگر کسی عورت کو ماہواری آجائے تو اُس کا روزہ فاسد ہوجائے گا مگر عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ شام تک روزہ دار کی طرح کھانے پینے سے رکی رہے۔

☆ اگر کوئی عورت دن میں کسی وقت حیض ونفاس سے پاک ہوجائے تو اس کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔ البتہ غسل سے فارغ ہوجائے تاکہ اگلے دن سے روزہ شروع کرسکے۔

☆ حیض ونفاس والی عورت اگر رمضان میں سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہوگئی تو اُس پر روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر چہ وہ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد ہی غسل کرے۔

☆ بعض خواتین رمضان میں عارضی طور پر ماہواری روکنے والی دوا استعمال کرلیتی ہیں تاکہ رمضان میں روزے رکھتی رہیں، بعد میں قضا کی دشواری نہ آئے۔ تو شرعی اعتبار سے ایسی دوائیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

☆ نفاس کا خون اگر ۴۰ دن سے کم مثلاً ۲۰ یا ۳۰ دن میں بند ہوجائے، تو عورت کو چاہئے کہ غسل کرکے نماز اور روزہ شروع کردے۔ ۴۰ دن کا انتظار کرنا غلط ہے۔ البتہ اگر کمزوری بہت زیادہ ہے تو روزہ نہ رکھے۔

☆ روزہ کی حالت میں عورت کے لبوں پر سرخی لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔ لیکن اگر منہ کے اندر پہنچنے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے۔

☆ بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرنے میں صرف چند قطرے رطوبت (مذی) نکل جائے تو اُس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس وکنار ہونے سے بچیں۔

☆ روزہ میں بیوی سے با قاعدہ ہم بستری نہیں کی ہے بلکہ صرف بوس وکنار ہونے یا ساتھ لپٹنے کی وجہ سے انزال ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کے ساتھ ایک روزہ کی قضاء کرنی ہوگی۔ (یاد رہے کہ رمضان کے ایک روزہ کی فضیلت پورے سال روزہ رکھ کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے)۔

☆ اگر رمضان کے روزے کی حالت میں قصداً با قاعدہ صحبت کرلی ہے تو دونوں میاں بیوی پر ایک ایک روزہ کی قضا کے ساتھ ہر ایک کو مسلسل ۶۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے، روزہ کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

☆ حمل کی وجہ سے اگر روزہ رکھنا دشوار ہے تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، لیکن رمضان کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہوگی۔ روزوں کا فدیہ دینا کافی نہیں ہوگا۔

☆ اگر کسی عورت یا مرد کے ذمہ غسل کرنا واجب ہے اور سحری کا وقت ختم ہوگیا، تو کوئی حرج نہیں۔ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی غسل کیا جاسکتا ہے۔ اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے اگر احتلام ہوجائے تو روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، روزہ بدستور باقی رہتا ہے، البتہ غسل کرنا واجب ہے۔

☆ ایسا مریض جس کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف پہونچے، یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو یا وہ شرعی مسافر ہے تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر اس کو اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی دوسرے دنوں میں قضا کرنا ضروری ہے، خواہ مسلسل کرے یا متفرق طور پر۔

☆ جو لوگ کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور ہوں، اُن کے لئے بھی ضروری ہے کہ رمضان المبارک میں کھلم کھلا کھانے پینے سے بچیں، اور بظاہر روزہ داروں کی طرح

رہیں۔

☆ جن لوگوں پر روزہ فرض ہے، پھر کسی وجہ سے ان کا روزہ فاسد ہوجائے تو اُن پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزہ داروں کی طرح رہیں۔ اور کھانے پینے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں۔

☆ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆ خود بخود بلاقصد قے ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

خلاصہ:

میرے عزیز بھائیو! ہمارے بعض دوست واحباب و متعلقین گزشتہ رمضان میں حیات تھے انہوں نے ہمارے ساتھ رمضان المبارک کے روزہ رکھے، تراویح پڑھیں۔۔۔۔۔ لیکن اب وہ دنیوی زندگی کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ آئندہ رمضان تک کون حیات رہے گا، اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ لہذا اس مبارک ماہ کے ایک ایک لمحہ کی قدر کریں۔ وقت کو یوں ہی ضائع نہ کریں۔ دن میں روزہ رکھیں۔ راتوں میں تراویح اور تہجد پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام رکھیں کیونکہ اس ماہ میں ہر نیکی کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اور اہل اسلام کے لئے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند اور شیاطین کو پابند سلاسل کردیا جاتا ہے۔ ہر روز ملائکہ کے ذریعہ آواز لگوائی جاتی ہے کہ اے طالب خیر! سامنے آ اور متوجہ ہو۔ اے طالب شر! بس کر گناہوں سے، تائب ہوکر طاعت اور نیکی کی زندگی کو اختیار کر۔

☆☆☆☆☆☆

نماز تراویح

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نماز تراویح فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ البتہ بعض علماء ۲۰ رکعت نماز تراویح کو بدعت یا خلاف سنت قرار دینے میں ہر سال رمضان اور رمضان سے قبل اپنی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں جس سے امت مسلمہ کے عام طبقہ میں انتشار ہی پیدا ہوتا ہے، حالانکہ اگر کوئی شخص ۸ کی جگہ ۲۰ رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہی تو ہے کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ساری امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

اس موضوع سے متعلق احادیث کا جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے، کسی بھی ایک صحیح، معتبر، اور غیر قابل نقد وجرح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعت کا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ ؒ نے تحریر کیا ہے کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تراویح کی کوئی تعداد متعین کی ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو وہ غلطی پر ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۰۱)۔ اسی طرح علامہ شوکانی ؒ نے تحریر کیا ہے کہ مسئلہ تراویح کی تمام روایات میں نماز تراویح کا باجماعت یا تنہا پڑھنا تو ثابت ہے لیکن خاص کر تراویح کی تعداد اور اس میں قراءت کی تعیین نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۶۴)

البتہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور حکومت میں بیس تراویح اور تین رکعت وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام ہوا جیسا کہ محدثین، فقہاء، مؤرخین اور علماء کرام نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ ان خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی بابت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی

سے پکڑے رکھو۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ڈاڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے، لہذا حضرت عمر فاروقؓ کا یہ اقدام عین سنت ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ص ۴۰۱ و ج ۲۲ص ۴۳۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۸رکعت تراویح کا موقف اختیار کرنے والے علماء کرام کی رائے کا احترام کرتے ہوئے، اس موضوع پر احادیث، محدثین اور علماء کرام کے اقوال ذکر کرکے ایک تحقیقی مضمون لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اس مضمون کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

روز مرہ کے تقریباً ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہے۔ البتہ چند اسباب کی وجہ سے روز مرہ کے تقریباً ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، انہیں مختلف فیہ مسائل میں تراویح کی تعداد رکعت کا مسئلہ بھی ہے۔

ہر مکتب فکر نے اپنے علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن وحدیث کو پڑھ کر ایک موقف اختیار کرلیا ہے، اسی معین موقف کی تائید کے لئے احادیث کے ذخیرہ میں غوطہ اندوزی کی جاتی ہے۔ اپنے موقف کی موافقت والی احادیث کو صحیح حسن قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے خواہ اس کے لئے کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑیں اور مخالفت کی شکل میں اس کے جوابات اور ان احادیث کو کسی بھی طرح سے ضعیف یا موضوع قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ان ۲۰فیصد مختلف فیہ مسائل میں ہمیں اختیار ہے کہ ہم جن فقہاء عظام وعلماء کرام سے عقیدت رکھتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں انہوں نے جو رائے اختیار کی ہے، اسی پر عمل کریں۔

تراویح کے معنی:

بخاری شریف کی مشہور ومعروف شرح لکھنے والے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے تحریر کیا ہے کہ

تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا ہے، جیسے تسلیمہ کے معنی ایک دفعہ سلام پھیرنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ عشاء کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کا اتفاق اس امر پر ہوگیا کہ ہر دو سلاموں (یعنی چار رکعت) کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح)

نماز تراویح کی فضیلت:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عبادت کی جائے۔

نماز تراویح کی تعداد رکعت:

تراویح کی تعداد رکعت کے سلسلہ میں ایک طویل عرصہ سے محدثین، فقہاء وعلماء کرام کے درمیان اختلاف چلا آرہا ہے۔ تراویح پڑھنے کی اگرچہ بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے، لیکن فرض نہ ہونے کی وجہ سے تراویح کی تعداد رکعت میں یقیناً گنجائش ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص صرف ۴ رکعت پڑھے تو آپ شرعی اعتبار سے اس کو ۸ یا ۲۰ پڑھنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ کیونکہ تراویح سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

تراویح کی تعداد رکعت میں محدثین، فقہاء وعلماء کرام کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا دو الگ الگ نمازیں۔ اگرچہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال سے دونوں نمازوں کے ایک یا الگ الگ ہونے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا، البتہ احادیث سے اپنے اپنے قول کی تائید حاصل کرنے

کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ جن محدثین، فقہاء وعلماء کرام نے اِن دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز قرار دیا ہے، اُن کے نقطۂ نظر میں حضرت عائشہؓ کی روایت کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جس کے انہوں نے مختلف دلائل دیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱) تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اِس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

۲) اگر حضرت عائشہؓ کے فرمان کا تعلق تراویح کی نماز سے ہے تو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام ہوا تو کسی بھی صحابی نے اِس پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ (دنیا کی کسی کتاب میں، کسی زبان میں بھی، کسی ایک صحابی کا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ۲۰ رکعت تراویح کے شروع ہونے پر کوئی اعتراض مذکور نہیں ہے)۔ اگر ایسی واضح حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ اور صحابۂ کرام کو کیسے ہمت ہوتی کہ وہ ۸ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰ رکعت تراویح شروع کردیتے۔ صحابۂ کرام تو کسی معمولی عمل میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ یقیناً صحابۂ کرام میں ہم سے بہت زیادہ تھا۔ بلکہ ہم (یعنی آج کے مسلمان) صحابہ کی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبہ سے اپنا کوئی مقارنہ بھی نہیں کرسکتے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: تم خلفاء راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوطی سے پکڑلیں۔ (ابن ماجہ)

۳) اگر اس حدیث کا تعلق واقعی تراویح کی نماز سے ہے (اور تہجد وتراویح ایک ہی نماز ہے) تو رمضان کے آخری عشرہ میں نماز تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟

۳) اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے جیسا کہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ا ص ۱۵۴، ابو داؤد ج ا ص ۱۹۶، ترمذی ج ا ص ۵۸، نسائی ج ا ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲)۔

علامہ شمس الدین کرمانیؒ (شارح بخاری) تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابوسلمہؓ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری ج ا ص ۱۵۵-۱۵۶)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے جو تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۵)

نمازِ تراویح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں:

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے، تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (مسلم - الترغیب فی صلاۃ التراویح) ـــــــــ ان دو یا تین دن کی تراویح کی رکعت کے متعلق کوئی تعداد احادیث صحیحہ میں مذکور نہیں ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے

یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداءِ عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)

مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات میں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق ؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی۔ البتہ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی، اس تبدیلی کی وضاحت مضمون میں محدثین، فقہاء اور علماء کرام کی تحریروں کی روشنی میں آرہی ہے۔

☆ حضرت عائشہ ؓ کی روایت (جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے) میں لفظ تراویح کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک یہ حدیث تہجد کی نماز سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنے مشہور کتاب (قیام اللیل ص ۹۱ اور ۹۲) میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ نقل نہیں فرمائی، اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور و معروف کتاب (زاد المعاد ص ۸۶) میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام

قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ بہت سے اہل علم حضرات اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷)

نمازِ تراویح خلفاء راشدین کے زمانے میں:

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں کتنی تراویح پڑھی جاتی تھیں، احادیث صحیحہ میں صحابۂ کرام کا کوئی واضح عمل مذکور نہیں ہے۔ گویا اس دور کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر نمازِ تراویح پڑھتے رہے، غرضیکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت (یعنی دو رمضان) میں نمازِ تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ بھی ادا نہیں ہوئی۔

☆ حضرت عمر فاروقؓ نے جب اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں جمع کیا، اور عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت ۲۰ رکعت نمازِ تراویح میں قرآن کریم مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا۔ ملاحظہ ہو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں یہ سب کچھ شروع ہوا:

۱) پورے رمضان تراویح پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۲) تراویح کا مستقل باجماعت پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۳) رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۴) بیس رکعت تراویح پڑھنا۔	تراویح کی کیفیت تو قابل قبول ہے لیکن تعداد تراویح محل نظر؟

☆ حضرت عبدالرحمٰن قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں علیحدہ علیحدہ نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں، اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے

فرمایا کہ واللہ! میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔۔۔۔حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسری رات نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ میں سو جاتے ہو، وہ اس وقت سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ (مؤطا امام مالکؒ، باب ما جاء فی قیام رمضان)

☆ حضرت یزید بن رومان ؒ فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابۂ کرام) حضرت عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں ۲۳ رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادا فرماتے تھے۔ (مؤطا امام مالکؒ، باب ما جاء فی قیام رمضان، ص ۹۸)

☆ علامہ بیہقی ؒ نے کتاب المعرفہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور حکومت میں ہم ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام زیلعی ؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۵۴)

☆ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ لوگ سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور قراءت اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ رات کو انہیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہوگا۔۔۔۔ پس حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ (مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری علی المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۲۴)

☆ مؤطا امام مالک میں یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔ (فتح الباری لابن حجر ج ۴ ص ۳۲۱، نیل

(الاوجارللشو کانی ج ۲ص ۵۱۴)

☆ حضرت محمد بن کعب القرظی ؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

☆ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۳۸۵)

☆ حضرت حسن ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، باب القنوت والوتر)

☆ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۰۱، حدیث نمبر ۷۷۶۳)

☆ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ہم ۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، اور قاری صاحب سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان غنی ؓ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابو الحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۳۸۵)

☆ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا۔ پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علیؓ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۴۹۶)

نماز تراویح سے متعلق صحابہ وتابعین کا عمل:

☆ حضرت اعمش ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا معمول بھی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

☆ حضرت حسن بصری ؒ حضرت عبدالعزیز بن رفیع ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ؓ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت عطا بن ابی رباح ؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً ۲۰۰ صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت ابراہیم نخعی ؒ (جلیل القدر تابعی، کوفہ کے مشہور ومعروف مفتی) فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار بروایت ابی یوسف ص ۴۱)

☆ حضرت شتیر بن شکل ؒ (نامور تابعی، حضرت علی ؓ کے شاگرد) لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابوالبختری ؒ (اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عمر ؓ اور حضرت ابوسعید ؓ کے شاگرد)۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت سوید بن غفلہ ؒ (حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ وغیرہ صحابہ کی زیارت کی ہے)۔ آپ کے بارے میں ابوالخضیب ؒ فرماتے ہیں کہ

حضرت سوید بن غفلہ ؒ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابن ابی ملیکہ ؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً تیس صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے) آپ کے متعلق حضرت نافع بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ ؒ ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

نماز تراویح سے متعلق اکابرین امت کے اقوال:

امام ابوحنیفہؒ: علامہ ابن رشد ؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴)

امام فخر الدین قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات میں یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۲)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفی ؒ لکھتے ہیں کہ صحیح قول جمہور علماء کا یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں صحابۂ کرام کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

امام مالکؒ: امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تراویح کی ۳۶ رکعت ہیں جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق بیس رکعت سنت ہیں۔ علامہ ابن رشد قرطبی مالکی ؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند فرمایا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴)

مسجد حرام میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ کے طور پر مکہ کے لوگ ایک طواف کرلیا کرتے تھے، جس پر مدینہ منورہ والوں نے ہر ترویحہ کے بعد چار چار رکعت نفل پڑھنی شروع کردی تو اس طرح امام مالک ؒ کی ایک رائے میں ۳۶ رکعت (۲۰ رکعت تراویح اور ۱۶ رکعت نفل) ہوگئیں۔

امام شافعیؒ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہیں، مکہ مکرمہ میں بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔ (قیام اللیل ص ۱۵۹) ایک دوسرے مقام پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶) علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی رکعت کے متعلق ہمارا (شوافع) مسلک وتر کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت کا ہے، اور بیس رکعت پانچ ترویحہ ہیں اور ایک ترویحہ چار رکعت کا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہری کا مسلک ہے اور قاضی عیاضؒ نے بیس رکعت تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ (المجموع)

امام احمد بن حنبلؒ: فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبلؒ) کا پسندیدہ قول بیس رکعت کا ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے صحابۂ کرام کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت پڑھتے تھے، نیز حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کا استدلال حضرت یزید بن علیؓ کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضور اکرم کے صحابہ عمل پیرا رہے ہوں، وہی اتباع کے لائق ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۱۳۹، صلاۃ التراویح)

امام ترمذیؒ: فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا۔ (ترمذی، ما جاء فی قیام شہر رمضان) امام ترمذیؒ نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں ۴۱ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن امام ترمذیؒ

نے اہل مکہ یا اہل مدینہ میں سے ۸ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔
مسلم شریف کی سب سے مشہور و معروف شرح لکھنے والے علامہ نووی ؒ جو ریاض الصالحین کے مصنف بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں با جماعت؟ تو امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعض مالکی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے چونکہ حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرات صحابۂ کرام نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلسل عمل جاری ہے حتیٰ کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری علامات میں سے ایک علامت ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ملخص: الترغیب فی قیام رمضان)
نیز علامہ نووی ؒ فرماتے ہے کہ جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعت ہیں جن میں ہر دو سلام کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ (الاذکار ص ۸۳)
علامہ عینیؒ (بخاری شریف کی شرح لکھنے والے) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ (عینی ج ۷ ص ۱۷۸)
شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف و مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ا ص ۱۳۲)
شیخ عبد القادر جیلانی ؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۷، ۲۶۸)
مولانا قطب الدین خان محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ (مظاہر حق ج ا ص ۴۳۶)
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سب سے مشہور و معروف کتاب (حجۃ اللہ البالغۃ)

میں تحریر کیا ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور تابعین نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں:

۱) مسجدوں میں جمع ہونا کیونکہ اس سے عوام وخواص پر آسانی ہوتی ہے۔

۲) اس کو شروع رات میں ادا کرنا جبکہ اخیر رات میں پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۳) تراویح کی تعداد بیس رکعت۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶۷)

مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالی ؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت پڑھانے کا ہوا، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔ (عون الباری ج ۴ ص ۳۱۷)

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے (ابن خزیمہ وابن حبان) میں وارد حضرت جابر ؓ کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ حالانکہ یہ روایت اس قدر ضعیف ومنکر ہے کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کی بابت محدثین نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں، جیسا کہ ۸ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات نے دوسرے مسائل میں اس طرح کے راویوں کی روایات کو تسلیم کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد ضعیف احادیث ہمارے پاس بھی موجود ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں: حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی، ج ۱ ص ۴۹۶، اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور علامہ بغوی نے مجمع صحابہ میں ذکر کیا ہے) (زجاجة المصابیح)۔۔۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام رافعی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہوگئے، مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح کو فرمایا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہوجائے اور تم اس کو ادا نہ کرسکو، اس لئے باہر نہیں آیا۔۔۔ مگر جیسا کہ میں نے مضمون کے شروع میں تحریر کیا تھا کہ کسی بھی معتبر، صحیح اور غیر قابل نقد وجرح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دو راتوں میں کتنی رکعت تراویح ادا فرمائیں۔

دوسرے شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ایک روایت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا، حالانکہ یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے اور حدیث کی سند میں شدید ضعف بھی ہے۔۔۔ نیز حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں، یہ بات سورج کی روشنی کی طرح محدثین واکابرین امت نے تسلیم کی ہے، جیسا کہ محدثین وعلماء کرام کے اقوال حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کئے جاچکے ہیں۔ لہذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔ امام ترمذیؒ، امام غزالیؒ، علامہ نوویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ ابن قدامہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے بھی بصراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالویؒ نے جب پہلی دفعہ ۱۲۸۴ھ میں باضابطہ طور پر فتوی جاری کیا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت اور بیس رکعت بدعت ہے تو اس انوکھے فتوے کی ہر طرف سے مخالفت کی گئی۔ مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسولؒ صاحب نے خود اس فتوی کی سخت کلمات میں مذمت کی، اور اس کو سینہ زوری قرار دیا۔ (رسالہ تراویح ص ۲۸، ۵۶)

تیسرے شبہ کا ازالہ:

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے اقوال میں اگر کوئی تضاد ہو تو صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کے قول کو لیا جائے گا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی اس میں شک بھی کرے، تو اُسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی۔ لیکن یہاں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال میں کہیں بھی تراویح کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے صحابۂ کرام کو ہم سے زیادہ محبت تھی۔ اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے صحابہ کرام ہم سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خصوصی توجہ:

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالم ؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نمازِ تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب (التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبوی) لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نمازِ تراویح ہورہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، لہذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تا کہ ان لوگوں کے شک وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس رکعت تراویح پڑھنے کی توفیق ہوجائے ---- اس کتاب میں ۱۴۰۰ سالہ تاریخ پر مدلل بحث کرنے کے بعد شیخ عطیہ محمد سالم ؒ لکھتے ہیں: اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی ایک موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس

سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا اس سے زائد ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ ۸ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟

خلاصۂ کلام:

لکھنے کا مقصد بالکل بھی بحث مباحثہ میں پڑنا نہیں ہے کیونکہ اس سے عموماً نقصان ہی ہوتا ہے۔ نیز تراویح چونکہ فرض تو ہے نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ۸ رکعت پڑھ لے تب بھی ٹھیک ہے، ۲۰ رکعت پڑھ لے تب بھی ٹھیک ہے۔ بس ۲۰ رکعت پڑھنے میں احتیاط یہ ہے کہ ۸ رکعت ۲۰ رکعت میں داخل ہیں، اور رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی خاص فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ البتہ مذکورہ بالا احادیث، متفق علیہ محدثین اور معتبر علماء کے اقوال کی روشنی میں ۲۰ رکعت تراویح کا موقف ہی زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



زکوۃ کے مسائل

زکوۃ کے معنی: زکوۃ کے معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور برکت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اُن کے مال سے زکوۃ لوتا کہ اُن کو پاک کرے اور بابرکت کرے اُس کی وجہ سے، اور دعا دے اُن کو (سورہ توبہ ۱۰۳)۔ شرعی اصطلاح میں مال کے اُس خاص حصہ کو زکوۃ کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فقیروں، محتاجوں وغیرہ کو دے کر انہیں مالک بنادیا جائے۔

زکوۃ کا حکم: زکوۃ دینا فرض ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سے اِس کی فرضیت ثابت ہے۔ جو شخص زکوۃ کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

زکوۃ کی فرضیت کب ہوئی: زکوۃ کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہی مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہوچکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورۂ مزمل کی آیت فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورت سے بچ جاتا، اُس کا ایک بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا۔ نصاب کا تعین اور مقدار زکوۃ کا بیان مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔

زکوۃ کے فوائد: زکوۃ ایک عبادت ہے، اللہ کا حکم ہے، زکوۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو، کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ کے حکم کی اطاعت بذات خود

مقصود ہے۔ اصل مقصد تو زکوۃ کا یہ ہے، لیکن اللہ کا کرم ہے جو کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو اللہ اُس کو دنیاوی فوائد بھی عطا فرماتے ہیں، اُن فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی باقی مال میں برکت، اضافہ اور پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔

☆ چنانچہ قرآن کریم (سورہ البقرہ۔۲۷۶) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اللہ سود کو مٹاتا ہے اور زکوۃ اور صدقات کو بڑھاتا ہے﴾۔

☆ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ ﴿اے اللہ! جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرما، اور اے اللہ جس شخص نے اپنے مال کو روک کر رکھا ہے اور زکوۃ ادا نہیں کر رہا ہے تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے﴾۔

☆ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا ہے۔

زکوۃ کس پر فرض ہے: اُس مسلمان عاقل بالغ پر زکوۃ فرض ہے جو صاحب نصاب ہو۔ نصاب کا اپنی ضرورتوں سے زیادہ اور قرض سے بچا ہوا ہونا شرط ہے۔ نیز مال پر ایک سال گزرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہے، یا مال تو نصاب کے برابر ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے۔ یا مال سال بھر تک باقی نہیں رہا، تو ایسے شخص پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔

زکوۃ کا نصاب: 52.5 تولہ یعنی 512.36 گرام چاندی یا 7.5 تولہ سونا یا اُس کی قیمت کا نقد روپیہ یا زیور یا سامانِ تجارت وغیرہ جس شخص کے پاس موجود ہے اور اُس پر ایک سال گزر گیا ہے تو اُس کو صاحبِ نصاب کہا جاتا ہے۔ خواتین کے استعمالی زیور میں

زکوۃ کے فرض ہونے میں علماء کی رائے مختلف ہیں۔ چونکہ زکوۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔لہذا استعمالی زیور پر بھی زکوۃ ادا کرنی چاہیے۔

زکوۃ کتنی ادا کرنی ھے: اوپر ذکر کیے گئے نصاب پر صرف ڈھائی فیصد (2.5%) زکوۃ ادا کرنی ضروری ہے۔

سامان تجارت میں کیا کیا داخل ھے: مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو۔ لہذا جو لوگ Investment کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کر کے اس سے نفع کمائیں گے، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ لیکن پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنوالیں گے یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھادیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے یعنی کوئی واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید لیا ہے، تو اس صورت میں اس پلاٹ کی قیمت پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے اُس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن آپ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کا حساب لگارہے ہیں۔

ھر ھر روپیے پر سال کا گزرنا ضروری نھیں:

ایک سال مال پر گزر جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر سال ہر ہر روپے پر مستقل سال گزرے۔ یعنی گزشتہ سال رمضان میں اگر آپ ۵ لاکھ روپے کے مالک تھے، جس پر ایک سال بھی گزر گیا تھا۔ زکوۃ ادا کردی گئی تھی۔ اس سال رمضان تک جو رقم آتی جاتی رہی

اُس کا کوئی اعتبار نہیں۔بس اِس رمضان میں دیکھ لوکہ تمہارے پاس اب کتنی رقم ضروریات سے بچ گئی ہے، اور اُس رقم پر زکوٰۃ ادا کردو۔ مثلاً اِس رمضان میں ۱۶ لاکھ روپے آپ کے پاس ضروریات سے بچ گئے ہیں تو ۱۶ لاکھ کا 2.5% زکوٰۃ ادا کردو۔

مستحقین زکوٰۃ : یعنی زکوٰۃ کس کو ادا کریں ؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰ میں ۸ مستحقین زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے جن میں سے ۴ اہم مستحقین زکوٰۃ یہ ہیں:

(۱) فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ تھوڑا مال و اسباب ہے لیکن نصاب کے برابر نہیں۔

(۲) مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

(۳) قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور اُس کے پاس قرض سے بچا ہوا بقدر نصاب کوئی مال نہ ہو۔

(۴) مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہو گیا ہو۔

جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ھے:

۱۔ اُس شخص کو جس کے پاس ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال موجود ہے۔

۲۔ سیداور بنی ہاشم۔ بنی ہاشم سے حضرت حارثؓ بن عبدالمطلب، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد مراد ہے۔

۳۔ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بیٹے، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

۵۔ شوہر اپنی بیوی کو، اور بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی ہے۔

۶۔ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔

نوٹ: بھائی، بہن، بھتیجہ، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، ساس، سسر، داماد وغیرہ میں سے جو حاجتمند اور مستحق زکوۃ ہوں، انہیں زکوۃ دینے میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک ثواب زکوۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ کسی تحفہ یا ہدیہ کے طور پر بھی ان مذکورہ رشتہ داروں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوۃ نہ نکالنے پر وعید:

☆ سورۂ توبہ آیت نمبر ۳۴۔۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کما حقہ زکوۃ نہیں نکالتے۔ اُن کے لئے بڑے سخت الفاظ میں خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو (اے نبی ﷺ) آپ اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے، یعنی جو لوگ اپنا پیسہ، اپنا روپیہ، اپنا سونا چاندی جمع کرتے جارہے ہیں اور اُن کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن پر اللہ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اُس کو ادا نہیں کرتے، اُن کو یہ اطلاع دے دیجئے کہ ایک دردناک عذاب اُن کا انتظار کررہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اُس دردناک عذاب کی تفصیل ذکر فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اُس دن ہوگا جس دن سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اُس آدمی کی پیشانی، اُس کے پہلو اور اُس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، آج تم خزانے کا مزہ چکھو، جو تم اپنے لئے جمع کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انجام بد سے محفوظ فرمائے، آمین۔

☆ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوۃ کی رقم شامل ہوجائے یعنی پوری زکوۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوۃ نکالی اور کچھ رہ گئی تو وہ مال انسان کے لئے

تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ لہٰذا اس بات کا اہتمام کرو کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوۃ سے متعلق چند متفرق مسائل:

☆ زکوٰۃ جس کو دی جائے اُسے یہ بتا دینا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے ضروری نہیں، بلکہ کسی غریب کے بچوں کو عیدی یا کسی اور نام سے دیدینا بھی کافی ہے۔

☆ دینی مدارس میں غریب طالب علموں کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

☆ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد، مدارس، ہسپتال، یتیم خانے اور مسافر خانے کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ اگر عورت بھی صاحبِ نصاب ہے تو اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے البتہ اگر شوہر خود ہی عورت کی طرف سے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے مال سے کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔



سونے یا چاندی کے زیورات پر زکاۃ

عورتوں کے سونے یا چاندی کے استعمالی زیورات پر وجوب زکاۃ کے متعلق صحابۂ کرام کے زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، مشہور و معروف تابعین حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عطاءؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابن سیرینؒ، امام زہریؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ قرآن وسنت کی روشنی میں استعمالی زیور پر وجوب زکاۃ کے قائل ہیں، اگر وہ زیور نصاب کے مساوی یا زائد ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر گیا ہو، جس کے انہوں نے مختلف دلائل پیش کئے ہیں:

﴿۱﴾ قرآن وسنت کے وہ عمومی حکم جن میں سونے یا چاندی پر بغیر کسی (استعمالی یا غیر استعمالی) شرط کے زکاۃ واجب ہونے کا ذکر ہے اور ان آیات واحادیث شریفہ میں زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ متعدد آیات واحادیث میں یہ عموم ملتا ہے، اختصار کی وجہ سے صرف ایک آیت اور ایک حدیث پر اکتفاء کرتا ہوں:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (سورۃ التوبہ ۳۴، ۳۵)

جو لوگ سونا یا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکاۃ نہیں نکالتے) سو آپ ان کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان (سونے وچاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ اور یہ جتلایا جائے گا

کہ یہ وہ (مال) ہے جس کو تم اپنے واسطے جمع کر کے رکھتے تھے۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔۔۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس مال کی زکاۃ ادا کردی جائے وہ کنز تم (جمع کئے ہوئے) میں داخل نہیں ہے۔ (ابوداؤد، مسند احمد) غرضیکہ جس سونے وچاندی کی زکاۃ ادا نہیں کی جاتی ہے کل قیامت کے دن وہ سونا وچاندی جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام مال اور سونے وچاندی کے زیورات پر زکاۃ کی ادائیگی کرنے والا بنائے تاکہ اس دردناک عذاب سے ہماری حفاظت ہوجائے۔ آمین۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا رُدَّتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ (مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فیمن لا یؤدی الزکاۃ)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص جو سونے یا چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرے تو کل قیامت کے دن اس سونے وچاندی کے پترے بنائے جائیں گے اور ان کو جہنم کی آگ میں ایسا تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں۔ پھر اس سے اس شخص کا پہلو، پیشانی اور کمر داغ دی جائے گی اور قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، بار بار اسی طرح تپا تپا کر داغ دئے جاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوجائے۔

اس آیت اور حدیث میں عمومی طور پر سونے یا چاندی پر زکاۃ کی عدم ادائیگی پر دردناک

عذاب کی خبر دی گئی ہے خواہ وہ استعمالی زیور ہوں یا تجارتی سونا و چاندی۔ غرضیکہ قرآن کریم میں کسی ایک جگہ بھی استعمالی زیور کا استثنا نہیں کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جو دو سونے کے بھاری کنگن پہنے ہوئے تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس عورت سے کہا کہ کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ اس عورت نے کہا: نہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے کل قیامت کے دن آگ کے کنگن تمہیں پہنائے۔ تو اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتار کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے پیش کر دئے۔ (ابوداؤد، کتاب الزکاۃ و باب الکنز ما هو و زكاة الحلي۔ مسند احمد۔ ترمذی۔ دار قطنی)

شارح مسلم امام نوویؒ اور شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

﴿۳﴾ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں چھلا دیکھ کر مجھ سے کہا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میں نے آپ کے لئے زینت حاصل کرنے کی غرض سے بنوایا ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے کہا: کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تو پھر یہ تمہیں جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔ (ابوداؤد ۱/۲۴۴، دار قطنی)

محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام خطابیؒ نے (معالم السنن ۳/۱۷۶) میں ذکر کیا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ چھلا تنہا نصاب کو نہیں پہونچتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس چھلے کو دیگر زیورات میں شامل کیا جائے، نصاب کو پہونچنے پر زکاۃ کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ امام سفیان ثوریؒ نے بھی یہی توجیہ ذکر کی ہے۔

﴿۴﴾ حضرت اسماء بنت زیدؓ روایت کرتی ہیں کہ میں اور میری خالہ نبی اکرم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئیں، ہم نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔تو نبی اکرم ﷺ نے کہا:
کیاتم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے کہا:نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیاتم ڈرتی نہیں
کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ لہٰذا ان کی
زکاۃ ادا کرو۔ (مسند احمد) محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
متعدد احادیث صحیحہ میں زیورات پر زکاۃ کے واجب ہونے کا ذکر ہے، یہاں طوالت سے
بچنے کے لئے صرف تین احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

استعمالی زیور میں زکاۃ واجب نہ قرار دینے والا امت مسلمہ کا دوسرا مکتب فکر عموماً یہ دلیلیں پیش
کرتا ہے:

(۱) عقلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے اسی مال میں زکاۃ کو واجب قرار دیا ہے جس میں بڑھوتری کی
گنجائش ہو، جبکہ سونے اور چاندی کے زیورات میں بڑھوتری نہیں ہوتی ہے۔۔۔۔
حالانکہ حقیقتاً زیورات میں بھی بڑھوتری ہوتی ہے چنانچہ سونے کی قیمت کے ساتھ زیورات
کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، آج کل تو تجارت سے زیادہ margin سونے میں
موجود ہے۔

(۲) چند احادیث وآثار صحابہ: وہ سب کے سب ضعیف ہیں جیسا کہ شیخ ناصر الدین البانیؒ
نے اپنی کتاب (ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل) میں تحریر کیا ہے۔

﴿اصولی بات﴾

موضوع بحث مسئلہ میں امت مسلمہ زمانۂ قدیم سے دو مکاتب فکر میں منقسم ہوگئی ہے، ہر مکتب
فکر نے اپنے موقف کی تائید کے لئے احادیث نبویہ سے ضرور سہارا لیا ہے لیکن اس حقیقت کا
کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی سونے یا چاندی پر زکاۃ کی ادائیگی نہ
کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کسی ایک جگہ بھی استعمالی یا تجارتی سونے میں کوئی فرق

نہیں کیا گیا ہے۔ نیز استعمالی زیور کو زکاۃ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے کوئی غیر قابل نقد وجرح حدیث احادیث کے ذخیرہ میں نہیں ملتی ہے، بلکہ بعض احادیث صحیحہ استعمالی زیور پر زکاۃ واجب ہونے کی واضح طور پر رہنمائی کررہی ہیں۔شیخ ناصر الدین البانیؒ جیسے محدث نے بھی ان میں سے بعض احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔نیز استعمالی زیور پر زکاۃ کے واجب قرار دینے کے لئے اگر کوئی حدیث نہ بھی ہو تو قرآن کریم کے عمومی حکم کی روشنی میں ہمیں ہر طرح کے سونے وچاندی پر زکاۃ ادا کرنی چاہئے خواہ اس کا تعلق استعمال سے ہو یا نہیں، تاکہ کل قیامت کے دن رسوائی، ذلت اور دردناک عذاب سے بچ سکیں۔نیز استعمالی زیور پر زکاۃ کے واجب قرار دینے میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کا فائدہ ہے تاکہ دولت چند گھروں میں نہ سمٹے بلکہ ہم اپنے معاشرہ کو اس رقم سے بہتر بنانے میں مدد حاصل کریں۔

واحتیاط:

وہ مذکورہ بالا احادیث جن میں نبی اکرم ﷺ نے استعمالی زیور پر بھی وجوب زکاۃ کا حکم دیا ہے، ان کے صحیح ہونے پر محدثین کی ایک جماعت متفق ہے، البتہ بعض محدثین نے سند حدیث میں ضعف کا اقرار کیا ہے۔لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ہم استعمالی زیور پر بھی زکاۃ کی ادائیگی کریں تاکہ زکاۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن وحدیث میں جو سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان سے ہماری حفاظت ہوسکے۔ نیز ہمارے مال میں پاکیزگی کے ساتھ اس میں نمو اور بڑھوتری اسی وقت پیدا ہوگی جب ہم مکمل زکاۃ کی ادائیگی کریں گے، کیونکہ زکاۃ کی مکمل ادائیگی نہ کرنے پر مال کی پاکیزگی اور بڑھوتری کا وعدہ نہیں ہے۔ نیز جو بعض صحابہ یا تابعین استعمالی زیور میں زکاۃ کے وجوب کے قائل نہیں تھے، ان کی زندگیوں کے احوال پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو اپنی ضروریات کے مقابلے میں دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اپنی دنیا وآخرت کی کامیابی سمجھتے تھے اور اپنے مال کا ایک بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کے

راستے میں خرچ کرتے تھے۔تاریخی کتابیں ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔اِس وقت امت مسلمہ کا بڑا طبقہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے بھی تیار نہیں ہے چہ جائیکہ دیگر صدقات وخیرات بتعاون سے اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرے،لہذا استعمالی زیور پر زکاۃ نکالنے میں ہی احتیاط ہے تا کہ ہم دنیا میں غریبوں،یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرکے کل قیامت کے دن نہ صرف عذاب سے بچ سکیں، بلکہ اجر عظیم کے بھی مستحق بنیں۔

﴿چند وضاحتیں﴾:

☆ اگر زیورات استعمال کے لئے نہیں ہیں بلکہ مستقبل میں کسی تنگ وقت میں کام آنے (مثلاً بیٹی کی شادی) کے لئے رکھے ہوئے ہیں یا سال سے زیادہ ہوگیا اور ان کا استعمال بھی نہیں ہوا،تو اس صورت میں سونے کے زیورات پر زکاۃ کے واجب ہونے پر تقریباً تمام علماء کرام کا اتفاق ہے،یعنی امت مسلمہ کا ہر مکتب فکر بھی متفق ہے۔

☆ زیورات کی زکاۃ کی ادائیگی میں اُس وقت کے پرانے سونے کی قیمت کا اعتبار ہوگا جب آپ زکاۃ ادا کر رہے ہیں۔

☆ Diamond پر زکاۃ واجب نہ ہونے پر امت مسلمہ متفق ہے،کیونکہ شریعت اسلامیہ نے اس کو قیمتی پتھروں میں شمار کیا ہے۔ہاں اگر یہ تجارت کی غرض کے لئے ہوں تو پھر نصاب کے برابر یا زیادہ ہونے کی صورت میں زکاۃ واجب ہوگی۔

☆ اگر کسی شخص کے پاس سونے یا چاندی کے علاوہ نقدی یا بینک بیلینس بھی ہے تو ان پر بھی زکاۃ ادا کرنی ہوگی، البتہ دو بنیادی شرطیں ہیں:

۱۔ نصاب کے مساوی یا زائد ہو۔ ۲۔ ایک سال گزر گیا ہو۔

صدقۂ فطر اور عید الفطر کے مسائل

زکوۃ کی دو قسمیں ہیں:

زکوۃ المال: مال کی زکوۃ۔ جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے جس کی بحث گزشتہ مضمون میں گزر چکی ہے۔

زکوۃ الفطر: یعنی بدن کی زکوۃ اس کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ اس مضمون میں یہی موضوع بحث ہے۔

صدقۂ فطر کیا ھے: فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اُس صدقہ کا نام صدقۂ فطر ہے جو ماہِ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

صدقۂ فطر مقرر ھونے کی وجه: عید الفطر میں صدقہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور اُن کے روزوں کی تکمیل ہے۔ نیز مالداروں کے گھروں میں تو اُس روز عید ہوتی ہے مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں، اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اسی طرح روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر لازم ٹھہرایا کہ غریبوں کو عید سے پہلے صدقۂ فطر دے دیں تاکہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی اچھا کھا پی سکیں، اور اچھا پہن سکیں۔

صدقۂ فطر کس پر واجب ھے: جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال و اسباب موجود ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، تو اُس پر عید الفطر کے دن صدقۂ فطر واجب ہے، چاہے وہ مال و اسباب تجارت کے

لئے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔ غرض صدقۂ فطر کے واجب ہونے میں زکوۃ کے فرض ہونے کے تمام شرائط پائے جانے ضروری نہیں ہیں۔ ہر صاحب نصاب اپنی اور اپنے بال بچوں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت: عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اُس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہے اُس کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت: صدقۂ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عیدالفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ہے۔ البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ نمازِ عیدالفطر کی ادائیگی تک صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نمازِ عید کے بعد بھی قضا کے طور پر دے سکتے ہیں، لیکن اتنی تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے صدقۂ فطر کا مقصود اور مطلوب فوت ہوجاتا ہے۔

صدقۂ فطر کی مقدار: صدقۂ فطر کی مقدار میں علماء کی چند آراء ہیں:

(۱) ایک کلو اور ۶۳۳ گرام (احتیاطاً دو کلو) گیہوں یا اُس کی قیمت۔

(۲) دو کلو اور چالیس گرام گیہوں یا اُس کی قیمت۔

(۳) دو کلو اور ۷۰۰ گرام گیہوں۔

صدقۂ فطر کے مستحق:

صدقۂ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں، یعنی ایسے غریب لوگ جن کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔

متفرق مسائل:

☆ ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقۂ فطر بھیجنا مکروہ ہے، (یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں وہیں صدقۂ فطر ادا کریں) ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں اُس کے غریب رشتہ دار رہتے ہیں، یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں، تو اُن کو بھیج دیا تو مکروہ نہیں ہے۔

☆ ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو اور کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دیا جا سکتا ہے۔

☆ جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے، اُس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے

عید الفطر کے احکام:

☆ عیدالفطر کی شب میں زیادہ عبادت کرنا مستحب ہے۔ اور دن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

☆ عیدالفطر کے دن دو رکعتوں کا بطور شکر یہ ادا کرنا واجب ہے۔ عید کی نماز کا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

☆ سعودی عرب میں چونکہ نمازِ عید سورج کے طلوع ہونے کے فوراً بعد ادا کی جاتی ہے، لہٰذا نمازِ عید کے لئے جلدی روانہ ہوں۔

☆ عید کی نماز کے بعد امام کا خطبہ پڑھنا سنت ہے، خطبہ شروع ہو جائے تو خاموش بیٹھ کر اُس کا سننا ضروری ہے۔ جو لوگ خطبہ کے دوران بات چیت کرتے رہتے ہیں، یا خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔

☆ عید کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، حسبِ استطاعت عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، صبح صادق کے بعد عید کی نماز سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا، عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا، ایک راستہ سے مسجد جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا، نماز کے لئے جاتے ہوئے تکبیر کہنا، یہ سب عید کی سنتوں میں سے ہیں۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللہ کا بدلہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا فرما کر اور اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر دنیا میں بھیجا۔ عقل کی ہدایت اور نگہبانی کے لئے اس کو شریعت کی روشنی سے نوازا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرے اور ایک نیک و صالح اور منصفانہ معاشرہ کی تعمیر کا کام انجام دے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے انبیاء و رسل دنیا میں بھیجے۔ اور یہ سلسلہ خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ پر ختم ہوا، جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام انس و جن کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت و اطاعت کا مکلف کرتے ہوئے، اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عمل کرے اور ایک منصفانہ سماج کی تشکیل کے لئے کوشاں رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یقیناً جسمانی و مالی دونوں طرح کی قربانی درکار ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۂ آل عمران ۹۲) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے ہرگز بھلائی نہیں پاؤ گے۔ اسی مالی تعاون کے ضمن میں آج قرض حسن ہمارا موضوع ہے۔ قرض کے معنی کی تفصیل بعد میں آرہی ہے، جبکہ حسن کے معنی بہتر، خوبصورت اور اچھے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی چھ آیات میں بارہ مقامات پر قرض کا ذکر فرمایا ہے اور ہر آیت میں قرض کو حسن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (سورۂ ہود ۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے ﴾ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہر ہر لفظ اپنے اندر متعدد مفاہیم رکھتا ہے، ان مفاہیم کو قرن اول

سے مفسرین قلم بند کررہے ہیں اور یہ سلسلہ کل قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

سب سے قبل: قرض کے معنی سمجھیں: قرض کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں یعنی اپنے مال میں سے کچھ مال کاٹ کر اللہ تعالی کے راستے میں دیا جائے تو اللہ تعالی اس کا کئی گنا بدلہ عطا فرمائے گا۔ محتاج لوگوں کی مدد کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالی کی رضا کے لئے جو مال غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کو دیا جاتا ہے اللہ تعالی اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی وروحانی طور پر اس میں برکت ڈال دیتا ہے، اور آخرت میں تو یقیناً اس میں حیران کن اضافہ ہوگا۔

قرض حسن سے متعلق ٦ آیات قرآنیہ :

مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافاً کَثِیْرَةً وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ البقرۃ ۲۴۵) کون شخص ہے جو اللہ تعالی کو قرض حسن دے تاکہ اللہ تعالی اُسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے، مال کا گھٹانا اور بڑھانا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (سورۃ المائدۃ ۱۲) اور تم اللہ تعالی کو قرض حسن دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے دور کردوں گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (سورۃ الحدید ۱۱) کون شخص ہے جو اللہ تعالی کو قرض حسن دے تاکہ اللہ تعالی اسے بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔ اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ

أَجْرٌ كَرِيْمٌ (سورۃ الحدید ۱۸) مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا، اور ان کے لئے بہترین اجر ہے۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (سورۃ التغابن ۱۷) اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔

وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّأَعْظَمَ أَجْرًا (سورۃ المزمل ۲۰) اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو۔ جو کچھ نیک اعمال تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے، اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔

قرض حسن سے کیا مراد ھے ؟

قرآن کریم میں استعمال ہوئی اس اصطلاح (قرض حسن) سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، مقروضین کے قرضوں کی ادائیگی کرنا، نیز اپنے بچوں پر خرچ کرنا مراد ہے غرضیکہ انسانیت کے کام آنے والی تمام شکلیں اس میں داخل ہیں، جیسا کہ مفسرین قرآن نے اپنی تفسیروں میں تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح قرض حسن میں یہ شکل بھی داخل ہے کہ کسی پریشان حال شخص کو اس نیت کے ساتھ قرض دیا جائے کہ اگر وہ اپنی پریشانیوں کی وجہ سے واپس نہ کرسکا تو اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اللہ نے بندوں کی ضرورت میں خرچ کرنے کو قرض حسن سے کیوں تعبیر کیا ؟

اللہ تعالیٰ نے محتاج بندوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ نہ صرف مال و دولت اور ساری ضرورتوں کا پیدا کرنے والا ہے، بلکہ وہ تو پوری کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے، ہم سب اسی کے خزانے سے کھاتے رہے رہیں، تاکہ ہم بڑھ چڑھ کر انسانوں کے کام آئیں یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کریں، غریب محتاجوں کے لئے روٹی کپڑا اور مکان کے انتظام کے ساتھ ان کی دینی عصری تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے، دونوں جہاں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے مہمان خانہ جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے، آمین۔

حضرت ابو الدحداح ؓ کا واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب قرض حسن سے متعلق آیت قرآن کریم میں نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح ؓ انصاری حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ عرض کرنے لگے: اپنا دست مبارک مجھے پکڑا دیجئے (تاکہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر ایک عہد کروں)۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حضرت ابو الدحداح ؓ انصاری نے معاہدہ کے طور پر حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا۔ ان کے باغ میں کھجور کے ۶۰۰ درخت تھے، اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر اپنے باغ گئے اور اپنی بیوی ام الدحداح ؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دے دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ ہے وہ قیمتی سودا جو حضرت ابو الدحداح ؓ نے کیا، ان کے پاس دو باغ تھے، ان میں سے

ایک باغ بہت قیمتی تھا جس میں کھجور کے ۶۰۰ درخت تھے، جس کو وہ خود بھی بہت پسند کرتے تھے اور اسی میں وہ اور ان کے بچے رہتے تھے۔ لیکن مذکورہ آیت کے نزول کے بعد یہ قیمتی باغ ضرورت مند لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ان کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (سورۃ الحشر ۹)۔

قرآن میں قرض حسن کے مختلف بدلے:

۱) فَيُضَاعِفَهُ لَهُ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً / فَيُضَاعِفَهُ لَهُ / يُضَاعَفُ لَهُمْ / يُضَاعِفْهُ لَكُمْ دنیا میں بہترین بدلہ۔

۲) وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ / وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ۔

۳) تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّاَعْظَمَ اَجْراً آخرت میں عظیم بدلہ۔

۴) لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ / وَيَغْفِرْ لَكُمْ گناہوں کی معافی۔

۵) وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ جنت میں داخلہ۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کی مثالیں:

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرض حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بندوں کی مدد کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے چند فضائل تحریر ہیں:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ ۲۶۱)

جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (سورۃ البقرہ ۲۶۵)

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لاوے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

جس قدر خلوص کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کریں گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر و ثواب زیادہ ہوگا۔ ایک ریال بھی اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی محتاج کو دیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ ۷۰۰ گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دے گا۔ مذکورہ بالا آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات ذکر کی گئی ہیں: وسیع اور علیم۔ یعنی اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ جتنے اجر کا عمل مستحق ہے وہ ہی دے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ دے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ علیم ہے کہ جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اور جس جذبہ سے کیا جاتا ہے، اس سے بے خبر نہیں ہے بلکہ اس کا اجر ضرور دے گا۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللّٰہ کس کو دیں؟

جن حضرات کو قرض حسن اور صدقات دئے جا سکتے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:
غریب رشتہ دار، یتیم، بیوہ، فقیر، مسکین، سائل، قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا

قرض ہو اور وہ مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہو گیا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ (سورۃ البقرہ ۱۷۷)

جو مال سے محبت کرنے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (سورۃ الذاریات ۱۹)

ان کے مال میں مانگنے والے اور محروم کا حق ہے۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللہ میں پسندیدہ چیزیں خرچ کریں:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (سورۃ آل عمران ۹۲) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے ہرگز بھلائی نہیں پاؤ گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (سورۃ البقرۃ ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔

جب ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، اور مجھے ساری چیزوں میں اپنا باغ (بیر حاء) سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اجر وثواب کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے طلحہؓ! تم نے بہت ہی نفع کا سودا کیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باغ جو اتنی بڑی مالیت کا ہے وہ صدقہ ہے اور اگر میں اس کی طاقت رکھتا کہ

کسی کو اس کی خبر نہ ہوتو ایسا ہی کرتا مگر یہ ایسی چیز نہیں ہے جو مخفی رہ سکے۔ (تفسیر ابن کثیر)
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مجھے اپنے تمام مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے، میں اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے وقف کردو۔ اصل روک لو، اور پھل وغیرہ اللہ کی راہ میں دے دو۔ (بخاری، مسلم)

حضرت محمد بن منکدر ؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ ؓ کے پاس ایک گھوڑا تھا جو ان کو اپنی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (اُس زمانہ میں گھوڑے کی حیثیت تقریباً وہی تھی جو اِس زمانہ میں گاڑی کی ہے) وہ اس کو لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمالیا اور لے کر ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ ؓ کو دیدیا۔ حضرت زید ؓ کے چہرہ پر کچھ گرانی کے آثار ظاہر ہوئے (کہ گھر میں ہی رہا، باپ کے بجائے بیٹے کا ہوگیا) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کرلیا، اب میں چاہے اس کو تمہارے بیٹے کو دوں یا کسی اور رشتہ دار کو یا اجنبی کو۔

☆ غرضیکہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت نے اپنی اپنی محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیں، جن کو نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مندلوگوں کے درمیان تقسیم کیں۔

(وضاحت): صحابۂ کرام کی تربیت خود حضور اکرم ﷺ نے فرمائی تھی، اور ان کا ایمان اور توکل کامل تھا، لہذا ان کے لئے اپنی پسندیدہ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا بہت آسان تھا، جیسا کہ صحابۂ کرام کے واقعات تاریخی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جنگ خیبر کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا اپنا سارا سامان اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا،

حضرت عثمان غنیؓ کا ہر ضرورت کے وقت اپنے مال کے وافر حصہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم ایمان وعمل کے اعتبار سے کمزور ہیں اور اگر ہم ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کا مصداق بظاہر نہیں بن سکتے ہیں تو کم از کم ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ پر عمل کر کے اپنی روزی صرف حلال طریقہ سے حاصل کرنے پر اکتفاء کریں اور اسی حلال رزق میں سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ضرورت مندلوگوں پر خرچ کریں۔

اللہ کے راستے میں اعلانیہ بھی قرض حسن اور صدقات دئے جا سکتے ہیں:

قرض حسن اور صدقات میں اصل پوشیدگی مطلوب ہے یعنی چپکے سے کسی محتاج کی مدد کرنا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے۔۔۔۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو کسی شخص کی اس طرح مدد کرے کہ اللہ تعالیٰ اور سائل کے علاوہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔ (ترمذی، نسائی)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سات لوگ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (بخاری، مسلم)

اس کے باوجود کہ انفاق فی سبیل اللہ میں شریعت اسلامیہ نے چھپ کر دینے کی خصوصی تعلیمات دی ہیں، لیکن بعض مواقع پر اعلانیہ خرچ کرنے میں بھی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، جن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ...... (سورۃ البقرۃ ۲۷۴)
جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ...... اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (سورۃ الرعد ۲۲) جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں --- ان ہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (سورۃ الفاطر ۲۹)
جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہیں ہوگی۔

ان مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ ہم اعلانیہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد کر سکتے ہیں، جبکہ دیگر آیات واحادیث میں چھپ کر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے --- علماء کرام نے ان آیات واحادیث کے ظاہری اختلاف کے درمیان کچھ اس طرح تطبیق کی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اعلانیہ ہونی چاہئے تاکہ اس سے دوسروں کو بھی رغبت ملے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق دوسروں کے شک وشبہات بھی دور ہو جائیں۔ لیکن صدقات اور قرض حسن کی ادائیگی عموماً چھپ کر ہی ہونی چاہئے۔

مگر اس حکمت بالغہ کے باوجود نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں بے شمار مرتبہ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات بھی اعلانیہ جمع کئے گئے ہیں۔ نیز اعلانیہ خرچ کرنے سے بچنے کی اصل حکمت یہ ہے کہ ریا اور شہرت مطلوب نہ ہو جائے، کیونکہ ریا، شہرت اور دکھاوا اعمال کی بربادی کے اسباب میں سے ہیں۔ لہٰذا خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے غریب، محتاج، یتیم اور بیواؤں کی مدد کے لئے اگر کسی پروگرام میں اعلانیہ قرض حسن دیا جائے تو ان شاء اللہ

یہ دکھاوے میں نہیں آئے گا کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کام بھی کھلم کھلا کیا جائے وہ ریا ہی ہو، بلکہ دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے بھی وقتاً فوقتاً اس طرح کے پروگرام منعقد ہونے چاہئیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں جنگوں کے موقعوں پر اعلانیہ صدقات جمع کئے جاتے تھے۔ اگر صدقات اور قرض حسن میں اللہ جل شانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا اصل مطلوب ومقصود ہو تو کسی مصلحت سے اس کا اعلان بھی کیا جائے تو وہ ان شاء اللہ ریا میں داخل نہیں ہوگا۔

قرض حسن یا انفاق فی سبیل اللہ کو ضائع کرنے والے اسباب:

۱) اللہ تعالی کی رضا کا حصول مطلوب نہ ہو۔

۲) ریا یعنی شہرت مطلوب ہو۔

۳) احسان جتانا مقصود ہو۔

۴) قرض حسن یا صدقہ دے کر لینے والے کو طعنہ وغیرہ دے کر تکلیف پہونچائی جائے۔

لہذا صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا کے حصول کے لئے کسی کی مدد کی جائے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّـاسِ (سورۃ البقرۃ ۲۶۴) اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى (سورۃ البقرۃ ۲۶۲) جو لوگ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے

نہ وہ اداس ہوں گے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ (سورۃ البقرہ ۲۶۵) ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی سے خرچ کرتے ہیں۔

تنگ دستی اور حاجت کے وقت میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں:

قرض حسن یا صدقات کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم بڑی رقم ہی خرچ کریں یا اسی وقت لوگوں کی مدد کریں جب ہمارے پاس دنیاوی مسائل بالکل ہی نہ ہوں بلکہ تنگ دستی کے ایام میں بھی حسب استطاعت لوگوں کی مدد کرنے میں ہمیں کوشاں رہنا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (سورۃ آل عمران ۱۳۴) جو شخص خوشحالی میں ہی نہیں بلکہ تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔۔۔۔ان کے رب کی طرف سے اس کے بدلہ میں گناہوں کی معافی ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

آتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ (سورۃ البقرہ ۱۷۷) جو مال سے محبت کرنے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے۔

مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ مال کی محبت سے مراد مال کی ضرورت ہے۔ یعنی ہمیں مال کی ضرورت ہے، اس کے باوجود ہم دوسروں کی مدد کے لئے کوشاں ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سے سب سے بہتر صدقہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس حال میں بھی خرچ کرو کہ تم صحیح سالم ہو اور زندگی کی توقع بھی ہو، اپنے غریب ہوجانے کا ڈر اور اپنے مالدار ہونے کی تمنا بھی ہو۔ یعنی تم اپنی ضرورتوں کے ساتھ دوسروں کی ضرورتوں

کو پورا کرنے کی فکر کرو۔ (بخاری،مسلم)

قرض حسن یا انفاق فی سبیل اللّٰہ سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی :

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ (مسلم) کسی کی مدد کرنے سے بظاہر مال میں کمی تو واقع ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس سے مال میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ آخرت میں بدلہ کے ساتھ ساتھ اللہ اس کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے، جیسا کہ قرآن کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں تفصیل سے مذکور ہے۔

انفاق فی سبیل اللّٰہ کے فضائل:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اوپر تین دن گزر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی رہے، سوائے اس کے کہ کوئی چیز قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ لی جائے۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزانہ صبح کے وقت ۲ فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ! مال کو روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسکین اور بیوہ عورت کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کو ضرورت کے وقت کپڑا پہنائے گا، اللہ

تعالیٰ اس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ایسی شراب پلائے گا، جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں اپنے کمزوروں کے طفیل سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارا خادم تمہارے لئے کھانا بنا کر لائے تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ یا اس کھانے میں سے کچھ دیدو، اس لئے کہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی تکلیف تو اس نے برداشت کی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ کچھ مانگنے کے لئے میرے پاس آئی۔ میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، جو میں نے اس عورت کو دے دی، اس عورت نے دو کھجور دونوں بیٹیوں کو تقسیم کر دی اور خود نہیں کھائی۔ نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے پر میں نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا بیٹیوں کی وجہ سے امتحان لیا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بچیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ بنیں گی۔ (بخاری، مسلم)

☆ معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کے سردار حضور اکرم ﷺ کی خواہش ہے کہ ہم اپنے مال ودولت کی ایک مقدار محتاج، غریب، مساکین اور یتیم وبیوہ ابس پر خرچ کریں۔

عام قرض کا بیان:

اب تک اُس قرض کا ذکر کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرض حسن سے تعبیر کیا ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں کی مدد کرنا ہے۔ اب تھوڑی

وضاحت عام قرض کے متعلق بھی تحریر کررہا ہوں:
اگر کوئی شخص کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قرض مانگتا ہے تو قرض دے کر اس کی مدد کرنا باعث اجروثواب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت قرض مانگنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص قرض کا طالب ہو تو اس کو قرض دینا مستحب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے قرض دے کر کسی کی مدد کرنے میں دنیا وآخرت کے بہترین بدلہ کی ترغیب دی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فائدہ کے لئے کوئی شرط نہ لگائے، مثلاً میں تمہیں قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میرا فلاں کام کردو۔ البتہ قرض لیتے اور دیتے وقت ان احکام کی پابندی کریں جو سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں، یہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اور اس میں قرض کے احکامات ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں متعدد جگہوں پر محتاج لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (سورۃ الحج ۷۷) بھلائی کے کام کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔
تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ (سورۃ المائدہ ۲) اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی کوئی بھی دنیاوی پریشانی دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا۔ جس نے کسی پریشان حال آدمی کے لئے آسانی کا سامان فراہم کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا وآخرت میں سہولت کا فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (مسلم)
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے تو ایک

بار صدقہ ہوتا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے شب معراج میں جنت کے دروازہ پر صدقہ کا بدلہ ۱۰ گنا اور قرضہ دینے کا بدلہ ۱۸ گنا لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! قرض صدقہ سے بڑھ کر کیوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ مال موجود بھی ہو، اور قرضدار ضرورت کے وقت ہی سوال کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو الدرداء ؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو ۲ دینار قرض دوں، یہ میرے نزدیک صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔۔۔ (کیونکہ قرض کی رقم واپس آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقہ کیا جاسکتا ہے یا اسے بطور قرض کسی کو دیا جاسکتا ہے، نیز اس میں واقعی محتاج کی ضرورت پوری ہوتی ہے)۔ (السنن الکبری للبیہقی)

خلاصۂ بحث:

اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کو انسان کی ایسی دنیاوی ضرورت بنائی ہے کہ عموماً اس کے بغیر انسان کی زندگی دوبھر رہتی ہے۔ مال ودولت کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جائز کوششیں کرنے کا مکلف تو بنایا ہے مگر انسان کی جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے باوجود اس کی عطا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھی ہے، چاہے تو وہ کسی کے رزق میں کشادگی کردے اور چاہے تو کسی کے رزق میں تمام دنیاوی اسباب کے باوجود تنگی پیدا کردے۔

مال ودولت کے حصول کے لئے انسان کو خالق کائنات نے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ جیسے چاہو کماؤ، کھاؤ۔ بلکہ اس کے اصول وضوابط بنائے تاکہ اس دنیاوی زندگی کا نظام بھی صحیح چل سکے اور اس کے مطابق آخرت میں جزا وسزا کا فیصلہ ہوسکے۔ انہیں اصول وضوابط کو شریعت کہا جاتا ہے جسمیں انسان کو یہ رہنمائی بھی دی جاتی ہے کہ مال کس طرح کمایا جائے اور کہاں کہاں خرچ کیا جائے۔

اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے بعد شرائط پائے جانے پر مال ودولت میں زکوٰۃ کی ادائیگی فرض کی گئی ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی مختلف شکلوں سے محتاج لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں اس میں ایک دوسرے کے رنج وغم میں شریک ہوسکیں۔ انہیں شکلوں میں سے ایک شکل قرض حسن بھی ہے کہ ہم غریبوں اور محتاجوں کی مدد کریں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کریں، مقروضین کے قرضوں کی ادائیگی کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو ضرورت کے وقت قرض دیں، تاکہ اللہ دنیا میں بھی ہمارے مال میں اضافہ کرے اور آخرت میں بھی اس کا اجر وثواب دے۔

عزیز بھائیو! اس فانی دنیاوی زندگی کا اصل مطلوب ومقصود اخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرنا ہے، جہاں ہمیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، موت کو بھی وہاں موت آجائیگی، اور جہاں کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی وکامرانی ہے۔ لہذا ہم:

۱) اللہ تعالیٰ کے احکامات نبی اکرم ﷺ کے طریقہ پر بجالائیں۔

۲) صرف حلال رزق پر اکتفاء کریں، خواہ بظاہر کم ہی کیوں نہ ہو۔

۳) حتی الامکان مشتبہ چیزوں سے بچیں۔

۴) زکوٰۃ کے واجب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کریں۔

۵) اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے ساتھ وقتاً فوقتاً قرض حسن اور مختلف صدقات کے ذریعہ محتاج لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

۶) اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ کل قیامت کے دن ہمارے قدم ہمارے پروردگار کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ ہم مال کے متعلق سوالات کا جواب نہ دے دیں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

قرض لینے اور دینے کے مسائل

اگر کوئی شخص کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قرض مانگتا ہے تو قرض دے کر اس کی مدد کرنا باعث اجر وثواب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت قرض مانگنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص قرض کا طالب ہو تو اس کو قرض دینا مستحب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے قرض دے کر کسی کی مدد کرنے میں دنیا وآخرت کے بہترین بدلہ کی ترغیب دی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دنیاوی فائدہ کے لئے کوئی شرط نہ لگائے۔

قرض لیتے اور دیتے وقت ان احکام کی پابندی کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں بیان کئے ہیں، یہ آیت قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے۔اس آیت میں قرض کے احکام ذکر کئے گئے ہیں، ان احکام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بعد میں کسی طرح کا کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ ان احکام میں سے تین اہم حکم حسب ذیل ہیں:

۱) اگر کسی شخص کو قرض دیا جائے تو اس کو تحریری شکل میں لایا جائے۔ ۲) قرض کی ادائیگی کی تاریخ بھی متعین کرلی جائے۔ ۳) دو گواہ بھی طے کرلئے جائیں۔

قرض لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش کرکے وقت پر قرض کی ادائیگی کرے۔ اگر متعین وقت پر قرض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کا خوف رکھتے ہوئے قرض دینے والے سے قرض کی ادائیگی کی تاریخ سے مناسب وقت قبل مزید مہلت مانگے۔ مہلت دینے پر قرض دینے والے کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ لیکن جو حضرات قرض کی ادائیگی پر قدرت رکھنے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں، ان کے لئے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حتی کہ آپ ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمادیتے تھے جس پر قرض ہو

یہاں تک کہ اس کے قرض کو ادا کر دیا جائے۔ ان میں سے بعض احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کی جان اپنے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے (یعنی جنت کے دخول سے روک دی جاتی ہے) یہاں تک کہ اس کے قرض کی ادائیگی کر دی جائے۔ (ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ایک روز فجر کی نماز پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا: تمہارا ایک ساتھی قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے جنت کے دروازہ پر روک دیا گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف جانے دو، اور چاہو تو اسے (اس کے قرض کی ادائیگی کر کے) عذاب سے بچالو (رواہ الحاکم صحیح علی شرط الشیخین۔۔ الترغیب والترھیب)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شہید کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، مگر کسی کا قرضہ معاف نہیں کرتا۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی سے اس نیت سے قرض لے کہ وہ اس کو ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے، اور اگر قرض لیتے وقت اس کا ارادہ ہڑپ کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح کے اسباب پیدا کرتا ہے جس سے وہ مال ہی برباد ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا انتقال ہوا ایسے وقت میں کہ وہ مقروض ہے تو اسکی نیکیوں سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی (لیکن اگر کوئی شخص اس کے انتقال کے بعد اس کے قرض کی ادائیگی کر دے تو پھر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا)۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ وہ اس کو بعد میں ادا نہیں کرے گا تو وہ چور کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود وقت پر قرض کی

ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (بخاری، مسلم) قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود قرض کی ادائیگی نہ کرنے والا ظالم وفاسق ہے۔ (النووی، فتح الباری)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، ہم نے غسل وکفن سے فراغت کے بعد رسول اکرم ﷺ سے نماز پڑھانے کو کہا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ ہم نے کہا کہ اس پر ۲ دینار کا قرض ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تم ہی اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا قرض میں نے اپنے اوپر لیا۔ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: وہ قرضہ تمہارے اوپر ہوگیا اور میت بری ہوگیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (رواہ احمد باسناد حسن والحاکم وقال صحیح الاسناد ۔۔۔ الترغیب والترھیب ۱۶۸/۲)

قرض کی ادائیگی پر قدرت حاصل کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات:

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوامامہؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوامامہؓ سے پوچھا کہ نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں موجود ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابوامامہؓ نے کہا کہ غم اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں ایک دعا نہیں سکھائی کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرے غموں کو دور کرے گا اور تمہارے قرضوں کی ادائیگی کے انتظام فرمائے گا؟ حضرت ابوامامہؓ نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوامامہؓ! اس دعا کو صبح وشام پڑھا کرو۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کا اہتمام کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے

سارے غم دور کر دیے اور تمام قرض ادا ہو گئے۔ (ابو داؤد۔ مسلم شریف کی مشہور شرح لکھنے والے امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے)

قرآن وحدیث میں محتاج لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الحج ۷۷) بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ (المائدہ ۲) اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی کوئی بھی دنیاوی پریشانی دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا۔ جس نے کسی پریشان حال آدمی کے لئے آسانی کا سامان فراہم کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیاو آخرت میں سہولت کا فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرضہ دیتا ہے تو ایک بار صدقہ ہوتا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں میں نے جنت کے دروازہ پر صدقہ کا بدلہ ۱۰ گنا اور قرضہ دینے کا بدلہ ۱۸ گنا لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! قرض صدقہ سے بڑھ کر کیوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ مال موجود ہو، اور قرضدار ضرورت کے وقت ہی سوال کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو ۲ دینار قرض دوں، یہ میرے نزدیک صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔۔۔ (کیونکہ قرض کی رقم واپس آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقہ کیا جاسکتا ہے یا اسے بطور قرض کسی کو دیا جاسکتا ہے، نیز اس میں واقعی محتاج کی ضرورت پوری ہوتی ہے)۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

عمرہ کا طریقہ

تلبیہ: لَبَّیْكَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِیْكَ لَكَ

عمرہ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں:

(۱) میقات سے احرام باندھنا۔

(۲) مسجد حرام پہونچکر طواف کرنا۔

(۳) صفا مروہ کی سعی کرنا۔

(۴) سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔

(۱) **احرام:** میقات پر یا میقات سے پہلے غسل یا وضو کرکے احرام کے کپڑے پہن لیں (یعنی ایک سفید تہبند باندھ لیں اور ایک سفید چادر اوڑھ لیں) پھر دو رکعت نفل ادا کریں اور عمرہ کی نیت کرکے کسی قدر بلند آواز سے تین مرتبہ تلبیہ پڑھیں۔ تلبیہ پڑھنے کے ساتھ ہی آپ کا احرام شروع ہوگیا۔

﴿وضاحت﴾ عورتوں کے احرام کے لئے کوئی خاص لباس نہیں، بس غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر عام لباس پہن لیں اور چہرہ سے کپڑ ہٹالیں، پھر نیت کرکے آہستہ سے تلبیہ پڑھیں۔

﴿ممنوعاتِ احرام مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے﴾ خوشبو لگانا، ناخن یا بال کاٹنا یا کٹوانا، چہرہ کا ڈھانکنا، جماع کرنا یا جماع کے اسباب جیسے بوسہ وغیرہ لینا، جانور کا شکار کرنا اور ایسا جوتا پہننا جس سے پاؤں کے درمیان کی ہڈی چھپ جائے۔

﴿ممنوعاتِ احرام صرف مردوں کے لئے﴾ سلا ہوا کپڑا پہننا اور سر کو ٹوپی یا چادر وغیرہ سے ڈھانکنا۔

﴿مکروہات احرام﴾ بدن سے میل دور کرنا، صابن کا استعمال کرنا، کنگھی کرنا، احرام میں پن وغیرہ لگانا یا احرام کو تاگے سے باندھنا۔

مسجد حرام پہونچنے تک بار بار تھوڑی آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھتے رہیں کیونکہ احرام کی حالت میں تلبیہ ہی سب سے بہتر ذکر ہے۔ مکہ مکرمہ پہونچ کر سامان وغیرہ اپنے قیام پر رکھ کر وضو یا غسل کر کے عمرہ کرنے کے لئے مسجد حرام کی طرف روانہ ہو جائیں۔

(۲) طواف: مسجد میں داخل ہونے والی دعا کے ساتھ دایاں قدم آگے بڑھائیں اور نہایت وقار و سکون کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوں۔ خانہ کعبہ پر پہلی نگاہ پڑنے پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر کے کوئی بھی دعا مانگیں۔ اس کے بعد مطاف میں کعبہ شریف کے اس کونے کے سامنے آجائیں جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے، اور عمرہ کے طواف کی نیت کر لیں، مرد حضرات اضطباع بھی کر لیں (یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے کے اوپر ڈال لیں) پھر حجر اسود کا بوسہ لیکر (اگر ممکن ہو سکے) ورنہ اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے ذریعہ اشارہ کر کے ﴿بسم اللہ اللہ اکبر﴾ کہیں اور کعبہ کو بائیں جانب رکھ کر طواف شروع کر دیں۔ طواف کرتے وقت نگاہ سامنے رکھیں۔ کعبہ کی طرف سینہ یا پشت نہ کریں۔ مرد حضرات پہلے تین چکر میں (اگر ممکن ہو) رمل کریں یعنی ذرا مونڈھے ہلا کر اور اکڑ کے چھوٹے چھوٹے قدم کے ساتھ کسی قدر تیز چلیں۔ جب کعبہ کا تیسرا کونہ آجائے جسے رکن یمانی کہتے ہیں (اگر ممکن ہو) تو دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ اس پر پھیریں، ورنہ اسکی طرف اشارہ کئے بغیر یوں ہی گزر جائیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھیں: ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾۔ پھر حجر اسود کے سامنے پہونچکر اسکی طرف ہتھیلیوں کا رخ کریں اور کہیں ﴿بسم اللہ اللہ اکبر﴾ اور

ہتھیلیوں کو بوسہ دیں۔ اب آپ کا ایک چکر ہوگیا، اسکے بعد باقی چھ چکر بالکل اسی طرح کریں۔ طواف سے فارغ ہو کر طواف کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے پیچھے اگر سہولت سے جگہ مل جائے ورنہ مسجد میں کسی بھی جگہ پڑھ کر زمزم کا پانی پئیں۔ اور پھر ایک بار حجر اسود کے سامنے آ کر بوسہ دیں یا صرف دونوں ہاتھوں سے اشارہ کریں اور وہیں سے صفا کی طرف چلے جائیں۔

(۳) سعی: صفا پہاڑ پر پہونچکر بہتر ہے کہ زبان سے کہیں: ﴿ان الصفا والمروة من شعائر الله﴾ پھر اپنا رخ کعبہ کی طرف کر کے اللہ کی حمد وثنا بیان کریں، درود شریف پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر خوب دعائیں کریں۔ اس کے بعد مروہ کی طرف عام چال سے چلیں۔ سبز ستونوں کے درمیان مرد حضرات ذرا دوڑ کر چلیں۔ مروہ پر پہونچکر قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ یہ سعی کا ایک پھیرا ہوگیا۔ اسی طرح مروہ سے صفا کی طرف چلیں، یہ دوسرا چکر ہو جائیگا۔ اس طرح آخری ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ (ہر مرتبہ صفا اور مروہ پر پہونچکر دعا کرنی چاہئے)۔

﴿وضاحت﴾ طواف سے فراغت کے بعد اگر سعی کرنے میں تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ سعی کے دوران اس دعا کو بھی پڑھ لیں، اگر یاد ہو ﴿رب اغفر وارحم، انک انت الاعز الاکرم﴾۔

(۴) حلق یا قصر: سعی سے فراغت کے بعد سر کے بال منڈوالیں یا کٹوالیں، مردوں کے لئے منڈوانا افضل ہے لیکن خواتین چوٹی کے آخر میں سے ایک پورے کے برابر بال خود کاٹ لیں یا کسی محرم سے کٹوالیں۔

﴿وضاحت﴾ بعض حضرات سر کے چند بال ایک طرف سے اور چند بال دوسری طرف

سے کاٹ کر احرام کھول دیتے ہیں، یا ورکس کی ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں دم واجب ہو جائے گا بلکہ یا تو سر کے بال منڈ وائیں یا پورے سر کے بال اس طرح کٹوائیں کہ ہر بال کچھ نہ کچھ کٹ جائے۔

اس طرح آپ کا عمرہ پورا ہوگیا، اب آپ اپنے احرام کو کھول دیں۔ جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہے کثرت سے نفلی طواف کریں عمرے بھی کر سکتے ہیں مگر طواف زیادہ کرنا افضل و بہتر ہے۔

چند اہم مسائل : (۱) اگر آپ بغیر احرام کے میقات سے گزر گئے تو آگے جا کر کسی بھی جگہ احرام باندھ لیں لیکن آپ پر ایک دم لازم ہوگیا۔ (۲) احرام کے اوپر مزید چادر یا کمبل ڈال کر اور تکیہ کا استعمال کر کے سونا جائز ہے۔ (۳) احرام کی حالت میں احرام کو اتار کر غسل بھی کر سکتے اور احرام کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ (۴) بغیر وضو کے طواف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ سعی کے لئے وضو کا ہونا ضروری نہیں۔(۵) خواتین ماہواری کی حالت میں طواف نہیں کرسکتیں۔ (۶) طواف اور سعی کے دوران عربی میں یا اپنی زبان میں جو دعا چاہیں مانگیں، یا قرآن کی تلاوت کریں۔ ہر چکر کی الگ الگ دعا مسنون نہیں ہے۔ (۷) نماز کی حالت میں بازوؤں کو ڈھکنا ضروری ہے، اضطباع صرف طواف کی حالت میں سنت ہے۔ (۸) طواف یا سعی کے دوران جماعت کی نماز شروع ہونے لگے یا تھکن ہو جائے تو طواف یا سعی کو روک دیں، پھر جہاں سے طواف یا سعی کو بند کیا تھا اسی جگہ سے شروع کر دیں۔ (۹) طواف نفلی ہو یا فرض کعبہ کے سات چکر لگا کر ۲ رکعت نماز ادا کرنا نہ بھولیں۔ (۱۰) نفلی سعی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (۱۱) طواف کے دوران بوقت ضرورت بات کرنا جائز ہے۔ (۱۲) طواف میں مردوں کے لئے رمل اور اضطباع کرنا سنت ہے۔

حج کا مختصر و آسان طریقہ

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) تمتع (۲) قران (۳) افراد

﴿ حج تمتع ﴾	﴿ حج قران ﴾	﴿ حج افراد ﴾
میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں	میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھیں	میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں
عمرہ کا طواف اور سعی کریں	عمرہ کا طواف اور سعی کریں	طواف قدوم (سنت) کریں
حلق/قصر کر کے احرام اتار دیں	احرام ہی کی حالت میں رہیں	احرام ہی کی حالت میں رہیں
۷ یا ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں	ممنوعات احرام سے بچتے رہیں	ممنوعات احرام سے بچتے رہیں
۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں	۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں	۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں

حج کا پہلا دن: ۸ ذی الحجہ ☆ آج منیٰ میں قیام کر کے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ ذی الحجہ کی نماز فجر ادا کریں۔ (منیٰ میں یہ پانچوں نمازیں ادا کرنا اور آج کی رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔)

حج کا دوسرا دن: ۹ ذی الحجہ ☆ آج صبح تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ سے عرفات کیلئے روانہ ہو جائیں۔

☆ عرفات پہنچ کر ظہر اور عصر کی نمازیں وہاں ادا کریں۔

☆ غروب آفتاب تک قبلہ رخ کھڑے ہو کر خوب دعائیں کریں۔

☆ غروب آفتاب کے بعد تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

☆ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت میں ادا کریں۔

☆ رات مزدلفہ میں گزاریں۔ البتہ خواتین اور معذور لوگ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ جا سکتے ہیں۔

حج کا تیسرا دن: ۱۰ ذی الحجہ ☆ مزدلفہ میں نماز فجر ادا کر کے دعا کریں۔

☆ طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کیلئے روانہ ہو جائیں۔

☆ منیٰ پہنچ کر بڑے اور آخری جمرہ پر ۷ کنکریاں ماریں۔

☆ تلبیہ پڑھنا بند کر دیں۔ ☆ قربانی کریں۔

☆ بال منڈوائیں یا کٹوائیں۔ ☆ احرام اتار دیں۔

☆ طواف زیارت یعنی حج کا طواف اور حج کی سعی کریں۔

(قربانی، بال کٹوانے، طواف زیارت اور حج کی سعی کو ۱۲ ذی الحجہ کی مغرب تک مؤخر کر سکتے ہیں)۔

حج کا چوتھا اور پانچواں دن: ۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ ☆ منیٰ میں قیام کر کے تینوں جمرات پر زوال کے بعد سات سات کنکریاں ماریں۔

☆ ۱۲ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے جا سکتے ہیں۔

حج کا چھٹا دن: ۱۳ ذی الحجہ ☆ اگر آپ ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ سے روانہ نہیں ہوئے ہیں تو تینوں جمرات پر زوال کے بعد کنکریاں ماریں۔

حج کے فرائض: احرام۔ وقوف عرفہ۔ طواف زیارت۔

بعض علماء نے سعی کو بھی حج کے فرائض میں شمار کیا ہے۔

حج کے واجبات۔ میقات سے احرام کے بغیر نہ گذرنا۔ عرفہ کے دن غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا۔ جمرات کو کنکریاں مارنا۔ قربانی کرنا (حج افراد میں واجب نہیں)۔ سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔ سعی کرنا۔ طواف وداع کرنا (میقات سے باہر رہنے والوں کیلئے)۔

حج کے فرائض میں سے اگر کوئی ایک فرض چھوٹ جائے تو حج صحیح نہیں ہوگا جس کی تلافی دم سے بھی ممکن نہیں۔ اگر واجبات میں سے کوئی ایک واجب چھوٹ جائے تو حج صحیح ہو جائیگا مگر دم لازم ہوگی۔

ممنوعات احرام: خوشبو استعمال کرنا۔ ناخن کاٹنا۔ جسم سے بال دور کرنا۔ میاں بیوی والے خاص تعلقات۔ چہرہ کا ڈھانکنا۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر کو ڈھانکنا (صرف مردوں کے لئے)۔

میقات سے باہر رہنے والے حضرات واپسی کے وقت طواف وداع ضرور کریں۔

ماہ رجب

قرآن وحدیث کی روشنی میں ماہ رجب کے متعلق چند امور تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو قرآن وحدیث کے مطابق زندگی گزارنے والا بنائے آمین۔ ثم آمین۔

۱) حرمت والا مہینہ: رجب اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں: ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم الحرام اور رجب۔ (بخاری ومسلم) ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام جو فتنہ وفساد،قتل وغارت گری اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو، سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ لڑائی جھگڑا سال کے دیگر مہینوں میں بھی حرام ہے،مگر ان چار مہینوں میں لڑائی جھگڑا کرنے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

۲) ماہ رجب میں کسی خاص نماز پڑھنے کا کوئی ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا ہے۔نماز کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہے۔

۳) اس ماہ میں روزہ رکھنے کی خاص فضیلت کا کوئی ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا۔روزہ کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہے۔البتہ رمضان کے پورے ماہ کے روزہ رکھنا ہر بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔اور ماہ شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔

٤) ماہ رجب میں نبی اکرم ﷺ نے کوئی عمرہ ادا کیا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء مؤرخین کی رائے مختلف ہیں۔ البتہ ماہ رجب میں عمرہ کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ اسلاف سے بھی اس ماہ میں عمرہ ادا کرنے کے ثبوت ملتے ہیں۔البتہ رمضان کے علاوہ کسی ماہ میں عمرہ ادا

کرنے کی کوئی خاص فضیلت احادیث میں موجود نہیں ہے۔

۵) رجب کا مہینہ شروع ہونے پر نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ﴿اللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرما، اور ماہِ رمضان تک ہمیں پہونچا﴾ (مسند احمد، بزاز، طبرانی، بیہقی) لہذا ماہِ رجب کے شروع ہونے پر ہم یہ دعا یا اس مفہوم پر مشتمل کوئی اور دعا مانگ سکتے ہیں۔ اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک رمضان کی کتنی اہمیت تھی کہ ماہِ رمضان کی عبادت کو حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ رمضان سے دو ماہ قبل دعاؤں کا سلسلہ شروع فرما دیتے تھے۔ ماہِ رجب کو بھی آپ ﷺ کی دعا سے برکت حاصل ہوئی، جس سے ماہِ رجب کا کسی حد تک مبارک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۶) معراج کا واقعہ: اس واقعہ کی تاریخ اور سال کے متعلق مؤرخین اور اہل سیر کی رائے مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک رائے یہ ہے کہ نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب کو ۵۱ سال ۵ مہینہ کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کو معراج ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆ اسراء کے معنی رات کو لے جانے کے ہیں۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کا سفر جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل (سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی) میں کیا گیا ہے، اس کو اسراء کہتے ہیں۔

اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا، اس کا نام معراج ہے، جس کا ذکر سورۂ نجم کی آیات (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی) میں ہے۔ اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے، یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد سے معراج سے متعلق احادیث مروی ہیں۔

☆ قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا، یعنی نبی اکرم ﷺ کا یہ سفر کوئی خواب نہیں تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ مختلف مراحل سے گزر کر اتنا بڑا سفر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے صرف رات کے ایک حصہ میں مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ جو اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ تو قادر مطلق ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے تو ارادہ کرنے پر چیز کا وجود ہوجاتا ہے۔ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم، مبارک اور بے نظیر معجزہ ہے، جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب نبی اکرم ﷺ کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنانے کا وہ شرف عظیم عطا فرمایا جو نہ کسی انسان کو کبھی حاصل ہوا اور نہ کسی مقرب ترین فرشتے کو۔

☆ واقعہ معراج کے مقاصد میں جو سب سے مختصر اور عظیم بات قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ ﷺ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔

☆ اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ رات کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (فلسطین) براق پر لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے انبیاء کرام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو عالم بالا کی طرف لے چلے اور وہاں آسمانوں پر مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ آخر آپ انتہائی بلندیوں پر پہونچ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے مقام پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا کہ جہاں کسی فرشتے کو بھی رسائی حاصل نہیں ہے۔

☆ اس موقع پر آپ ﷺ کو پانچ وقت نماز کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اس سفر میں آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ کرایا گیا۔

☆ معراج کے واقعہ سے متعلق کوئی خاص عبادت ہر سال ہمارے لئے مسنون یا ضروری نہیں ہے۔

☆ معراج میں پچاس نمازیں امت مسلمہ پر فرض کی گئی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا، چنانچہ دس نمازیں کم کردیں گئیں۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں فرض باقی رہ گئیں۔ لیکن احادیث کی روشنی میں پانچ نمازیں پڑھنے پر ان شاء اللہ پچاس ہی نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

☆ صرف نماز ہی دین اسلام کا ایک ایسا عظیم رکن ہے جسکی فرضیت زمین پر نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں کے اوپر ایک بلند وبالا مقام پر معراج کی رات میں ہوئی۔ نیز اس کا حکم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ تک نہیں پہنچا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرضیت نماز کا تحفہ بذات خود اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

☆ معراج کے سفر میں آپ ﷺ کی جن جلیل القدر انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں:

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے۔ دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔

ماہ شعبان اور شب برأت

اسلامی کیلنڈر کے مطابق شعبان المعظم آٹھواں مہینہ ہے جو رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بلاشبہ یہ ماہ بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے چنانچہ رمضان کے بعد آپ ﷺ سب سے زیادہ روزے اسی ماہ میں رکھتے تھے۔

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی پورے مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا، سوائے شعبان کے کہ اس کے تقریباً پورے دنوں میں آپ روزہ رکھتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد) اسی مضمون کی ایک روایت ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے ترمذی میں مذکور ہے۔

☆ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں (نفلی) روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ایک مہینہ ہے جس کی برکت سے لوگ غافل ہیں۔ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (نسائی، الترغیب والترھیب ص ۴۲۵، مسند احمد، ابوداؤد ۲۰۷۶)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کے تقریباً مکمل مہینے میں روزہ رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو شعبان کے روزے بہت پسند ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال انتقال کرنے والوں کے نام اس ماہ میں لکھ دیتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری موت کا فیصلہ اس حال میں ہو کہ میں روزہ سے ہوں۔ (رواہ ابویعلیٰ وھو غریب واسنادہ حسن) الترغیب والترھیب، وذکرہ الامام الحافظ السیوطی فی "الدر المنثور"۔

☆ بعض دیگر احادیث میں شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے تا کہ اس کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے رکھنے میں دشواری نہ ہو (بخاری، کتاب الصوم۔ مسلم، کتاب الصیام)۔

ان اور اس طرح کی متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ماہِ شعبان بلاشبہ بہت ہی فضیلتوں کا حامل ہے اور اس ماہ کے آخری دو تین دن کے علاوہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنا چاہئے۔

اس ماہ کی پندرہویں رات کو شب برأت کہا جاتا ہے، جو ۱۴ تاریخ کے سورج غروب ہونے سے شروع ہوتی ہے اور ۱۵ تاریخ کی صبح صادق تک رہتی ہے۔ شب برأت فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی: نجات پانے کی رات کے ہیں۔ چونکہ اس رات میں بے شمار گناہگاروں کی مغفرت کی جاتی ہے اس لئے اس شب کو شب برأت کہا جاتا ہے۔

اس رات کی فضیلت کے سلسلہ میں علماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کا بالکلیہ انکار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض مشہور ومعروف مفسرین (مثلاً حضرت عکرمہؒ) نے تو قرآن کی آیت ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ. فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ سورۃ الدخان ۳۔۴﴾ سے مراد شعبان کی پندرہویں رات (شب برأت) لی ہے، اور ہر زمانے کے مشہور ومعروف مفسرین نے اپنی تفسیروں میں حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ جمہور علماء کی رائے میں اس آیت سے مراد شب قدر ہے مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر شب برأت کی کوئی حقیقت ہی نہ ہوتی تو مشہور ومعروف مفسرین اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کا ذکر کیوں کرتے، بلکہ اس کی مخالفت کرتے۔ حضرت عکرمہؒ ان تابعین میں سے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے صحابۂ کرام خاص کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہ

کر قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا، اور قرآن وحدیث کے علم کا ایک وافر حصہ حضرت عکرمہؓ کے ذریعہ ہی امت مسلمہ کو پہونچا ہے۔

شب برأت کی فضیلت کے متعلق تقریباً ۱۷ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث مروی ہیں، جن میں سے بعض صحیح ہیں، جن کی صحت کا اعتراف شیخ محمد ناصر الدین البانی ؒ جیسے محدث نے بھی کیا ہے، اگرچہ دیگر احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے لیکن وہ کم از کم قابل استدلال ضرور ہیں اور احادیث کی اتنی بڑی تعداد کو رد کرنا درست نہیں ہے، نیز امت مسلمہ کا شروع سے اس پر معمول بھی چلا آرہا ہے۔ لہٰذا علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق "اگر حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہو لیکن امت مسلمہ کا عمل اس پر چلا آرہا ہو تو اس حدیث کو بھی قوت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ قابل اعتبار قرار دی جاتی ہے" ان احادیث پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نیز اس باب کی احادیث مختلف سندوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اگرچہ بعض احادیث کی سند میں ضعف ہے لیکن علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ایک دوسرے سے تقویت لے کر یہ احادیث **حسن لغیرہ** بن جاتی ہیں جس کا اعتراف متعدد بڑے بڑے محدثین نے بھی کیا ہے۔

عقل سے بھی سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ مختلف ملکوں اور مختلف شہروں میں رہنے والے حضرات نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی ایک جھوٹی بات کو منسوب کرنے میں متفق ہوگئے، نیز سب نے شعبان کی ۱۵ تاریخ کو ہی کیوں اختیار کیا، کوئی دوسری تاریخ، یا کوئی دوسرا مہینہ کیوں اختیار نہیں کیا؟

ان احادیث سے شب برأت میں کسی مستقل عمل کو ثابت نہیں کیا جارہا ہے، بلکہ اعمال صالحہ (مثلاً نماز فجر وعشاء کی ادائیگی، بقدر توفیق نوافل خاص کر نماز تہجد کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، اللہ کا ذکر، اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور دعائیں) کے کرنے کی رغبت دی

جاری ہے، جن کا تعلق ہر رات سے ہے، اور ان اعمال صالحہ کا احادیث صحیحہ سے ثبوت بھی ملتا ہے، جس پر ساری امت متفق ہے۔ شب برأت بھی ایک رات ہے۔ شب برأت میں تھوڑا اہتمام کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی ادائیگی کے لئے علماء ومحققین کی ایک بڑی جماعت کی رائے کے مطابق ۷ اصحابۂ کرام سے منقول احادیث ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

وضاحت: اگر کچھ لوگوں نے غلط رسم ورواج اس رات میں شروع کردئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر مضمون کے آخر میں آرہا ہے، تو اس کی بنیاد پر ان اعمال صالحہ کو اس رات میں کرنے سے روکا نہیں جاسکتا، بلکہ رسم ورواج کے روکنے کا اہتمام کرنا ہوگا، مثلاً عید الفطر کی رات یا دن میں لوگ ناچنے گانے لگیں تو سرے سے عید الفطر کا انکار نہیں کیا جائے گا، بلکہ غلط رسم ورواج کو روکنے کا مکمل اہتمام کیا جائے گا۔ نیز شادی کے موقع پر رسم ورواج اور بدعات کی وجہ سے نکاح ہی سے انکار نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعات اور رسم ورواج کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی طرح موت کے وقت اور اس کے بعد کی بدعات وخرافات کو روکنے کی کوشش کی جائے گی نہ کہ تدفین ہی بند کردی جائے۔

شب برأت کی فضیلت سے متعلق چند احادیث:

☆ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرہویں شب میں تمام مخلوق کی طرف تجلی فرماتا ہے اور ساری مخلوق کی سوائے مشرک اور بغض رکھنے والوں کے سب کی مغفرت فرماتا ہے۔ (صحیح ابن حبان، طبرانی.... وذکرہ الامام الحافظ السیوطی فی "الدر المنثور" عن البیہقی.... وذکرہ الحافظ الہیثمی فی "مجمع الزوائد" ج ۸ ص ۶۵ وقال: رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہ ثقات)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مسند احمد (۱۷۶/۲) میں بھی مروی ہے (قاتل اور بغض رکھنے والوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرماتا ہے)، جس کو

الحافظ الہیثمی نے " مجمع الزوائد ۱۵/۸ " میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد ناصر الدین البانی ؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (السنہ ص ۲۲۴،سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۳)

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ ۱۳۹۰) میں مروی ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد ناصر الدین البانی ؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ .... ج ۳ ص ۱۳۵)

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے۔ (رواہ البزار وذکرہ الحافظ الہیثمی فی "مجمع الزوائد")۔ ☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ثعلبۃ الخشنی ؓ سے مروی ہے۔ (اخرجہ الطبرانی والبیہقی .... الدر المنثور للسیوطی) ☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے مروی ہے۔ (اخرجہ البزار والبیہقی .... مجمع الزوائد للہیثمی)

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت عوف بن مالک ؓ سے مروی ہے۔ (اخرجہ البزار .... مجمع الزوائد للہیثمی) ☆ اسی مضمون کی روایت حضرت کثیر بن مرہ ؓ سے مرسلاً مروی ہے۔ (اخرجہ البیہقی، حسن البیان للشیخ عبداللہ الغماری)

☆ حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پندرہویں شب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز لگائی جاتی ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں، ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں عطا کروں۔ ہر سوال کرنے والے کو میں عطا کرتا ہوں، سوائے مشرک اور زنا کرنے والے کے۔

(اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان ۳/۳۸۳ .... الدر المنثور للسیوطی، .... ذکرہ الحافظ ابن رجب فی اللطائف)۔

☆ حضرت عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی۔ آپ ﷺ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ آپ

ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ اور اسکے رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گمان ہوا کہ آپ دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب کو نچلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اور اس رات میں بے شمار لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے مگر مشرک، عداوت کرنے والے، رشتہ توڑنے والے، تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شراب پینے والے کی طرف اللہ تعالیٰ کی نظر کرم نہیں ہوتی۔ (مسند احمد ۶/۲۳۸، ترمذی (ابواب الصیام)، ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ)، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، الترغیب والترھیب)

☆ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس دن روزہ رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے سماء دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کیا کوئی رزق کا متلاشی ہے کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کیا کوئی معصیت کا مارا ہے کہ میں اسکی معصیت دور کروں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ حتیٰ کہ صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ)، والبیہقی فی شعب الایمان، الدر المنثور للسیوطی، الترغیب والترھیب للمنذری، لطائف المعارف للحافظ ابن رجب)

اس رات میں ان اعمال صالحہ کا خاص اہتمام کریں:

۱۔ عشاء اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا کریں۔ ۲۔ بقدر توفیق نفل نمازیں خاص کر نماز تہجد ادا کریں۔ ۳۔ اگر ممکن ہو تو صلاۃ التسبیح پڑھیں۔ ۴۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔

۵۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کریں۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں، خاص کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں۔ ۷۔ کبھی کبھی شب براءت میں قبرستان تشریف لے جائیں۔ اپنے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ہر شب براءت میں قبرستان جانے کا خاص اہتمام کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ پوری زندگی میں نبی اکرم ﷺ سے صرف ایک مرتبہ اس رات میں قبرستان جانا ثابت ہے۔

نوٹ: شب براءت میں پوری رات جاگنا ضروری نہیں ہے، جتنا آسانی سے ممکن ہو عبادت کرلیں۔ لیکن کسی شخص کو آپ کے جاگنے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔

پندرھویں تاریخ کا روزہ:

شب براءت کی فضیلت کے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں مگر شب براءت کے بعد آنے والے دن کے روزے کے متعلق صرف ایک ضعیف حدیث موجود ہے۔ لہذا ماہ شعبان میں صرف اور صرف پندرھویں تاریخ کے روزہ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا، یا اس دن روزہ نہ رکھنے والے کو کمتر سمجھنا صحیح نہیں ہے، البتہ ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے چاہئیں۔

اس رات میں مندرجہ ذیل اعمال کا احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے:

۱۔ حلوا پکانا۔ (حلوا پکانے سے شب براءت کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے)۔

۲۔ آتش بازی کرنا۔ (یہ فضول خرچی ہے، نیز اس سے دوسروں کے املاک کو نقصان پہنچنے کا بھی خدشہ ہے)۔ ۳۔ اجتماعی طور پر قبرستان جانا۔ ۴۔ قبرستان میں عورتوں کا جانا (عورتوں کا کسی بھی وقت قبرستان جانا منع ہے)۔ ۵۔ قبرستان میں چراغاں کرنا۔

۶۔ مختلف قسم کے ڈیکوریشن کا اہتمام کرنا۔ ۷۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط کرنا۔

۸۔ قبروں پر چادر چڑھانا (کسی بھی وقت قبروں پر چادر چڑھانا غلط ہے)۔

نوٹ: اس رات میں بقدر توفیق انفرادی عبادت کرنی چاہئے۔ لہذا اجتماعی عبادتوں

سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس رات میں اجتماعی طور پر کوئی عبادت کرنا ثابت نہیں ہے۔

جن گناہ گاروں کی اس بابرکت رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی، وہ یہ ہیں:

☆ مشرک ☆ قاتل ☆ والدین کی نافرمانی کرنے والا ☆ بغض وعداوت رکھنے والا ☆ رشتہ توڑنے والا ☆ تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والا ☆ شراب پینے والا ☆ زنا کرنے والا۔

وضاحت: مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، دیگر احادیث وعلماء اور محدثین کے اقوال پڑھنے کے لئے الشیخ عبدالحفیظ المکی صاحب کی عربی زبان میں کتاب "فضائل لیلۃ النصف من شعبان" کا مطالعہ کریں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں سال بھر کے فیصلے بھی ہوتے ہیں، لیکن ان تمام ہی احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے، لیکن حضرت عکرمہ ؒ کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم (سورۃ الدخان ۳۔۴) سے بھی یہی اشارہ ملے گا۔

خلاصۂ کلام: ماہِ شعبان کی فضیلت اور اس میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنے کے متعلق امت مسلمہ متفق ہے، البتہ پندرہویں رات کی خصوصی فضیلت کے متعلق علماء، فقہاء اور محدثین کے درمیان زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ اس باب سے متعلق احادیث کے قابل قبول (حسن لغیرہ) اور امت مسلمہ کا عمل ابتداء سے اس پر ہونے کی وجہ سے اس رات میں انفرادی طور پر نفل نمازوں کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اور دعاؤں کا کسی حد تک اہتمام کرنا چاہئے۔ کبھی کبھی شب برات میں قبرستان بھی چلا جانا چاہئے۔ اس نوعیت سے اس رات میں عبادت کرنا بدعت نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

ماہِ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام (سورۃ الفجر ۲) میں ذی الحجہ کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماہِ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حج کا اہم رکن: وقوف عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں' اللہ تعالیٰ کے حکم پر جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی، انشاء اللہ۔ غرض رمضان المبارک کے بعد یہ ایام اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ لہذا ان ایام میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کا ذکر کریں، روزہ رکھیں، قربانی کریں۔ احادیث میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے۔ جن میں سے بعض احادیث یہاں ذکر کی جاری ہیں:

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (بخاری)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (طبرانی) ان ایام میں ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، تکبیر تشریق کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

☆ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ (مسلم)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ لہذا 9 ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

☆ حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم)

اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

☆ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ تمہیں قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ (الترغیب والترہیب)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص قربانی کرنے کی وسعت رکھتا ہو، پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (الترغیب والترھیب)

﴿وضاحت﴾ جو شخص قربانی کرنے کی وسعت رکھتا ہے تو اسے قربانی کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

قربانی کے جانور: اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس میں سات حصے، البتہ چھوٹے جانور یعنی بکرا، بکری وغیرہ میں ایک حصہ ہوتا ہے۔



ماہِ محرم الحرام اور عاشورہ کا روزہ

ماہِ محرم الحرام:

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دئے ہیں۔

حرمت والے مہینے یہ ہیں: ذو القعدہ، ذو الحجہ، محرم الحرام اور رجب۔ ان مہینوں کو حرمت والا اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایسے کام سے جو فتنہ، فساد، قتل وغارت اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو، بالخصوص منع فرمایا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتدا کیوں؟

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یعنی محرم سے ہجری سال کا آغاز، اور ذی الحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء ماہ محرم الحرام سے ہی کیوں کی گئی؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ جواب سے پہلے دو ایسے امور کا ملاحظہ فرمائیں جن کے متعلق تقریباً تمام مؤرخین متفق ہیں:

۱) ہجری سال کا استعمال نبی اکرم ﷺ کے عہد میں نہیں تھا، بلکہ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں صحابۂ کرام کے مشورے کے بعد ۱۷ ہجری میں شروع ہوا۔

۲) ہجری سال کے کیلنڈر کا افتتاح اگرچہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ہوا تھا، مگر تمام بارہ اسلامی مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب نہ صرف نبی اکرم ﷺ کے زمانے، بلکہ عرصۂ دراز

سے چلی آرہی تھی۔ اور ان بارہ مہینوں میں سے حرمت والے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام، رجب) کی تحدید بھی زمانہ قدیم سے چلی آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (سورۃ التوبہ ۳۶)

۳) اسلامی کیلنڈر (ہجری) کے افتتاح سے قبل عربوں میں مختلف واقعات سے سال کو موسوم کیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے عربوں میں مختلف کیلنڈر رائج تھے، اور ہر کیلنڈر کی ابتدا محرم الحرام سے ہی ہوتی تھی۔

اب جواب عرض ہے:

حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانۂ خلافت میں جب ایک نئے اسلامی کیلنڈر کو شروع کرنے کی بات آئی، تو صحابۂ کرام نے اسلامی کیلنڈر کی ابتداء کو نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت یا نبوت یا ہجرت مدینہ سے شروع کرنے کے مختلف مشورے دئے۔ آخر میں صحابہ کرام کے مشورہ سے ہجرت مدینہ منورہ کے سال کو بنیاد بنا کر ایک نئے اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا۔ یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تمام سالوں کو زیرو (Zero) کردیا گیا، اور ہجرت مدینہ منورہ کے سال کو پہلا سال تسلیم کرلیا گیا۔ رہی مہینوں کی ترتیب تو اس کو عربوں میں رائج مختلف کیلنڈر کے مطابق رکھی گئی یعنی محرم الحرام سے سال کی ابتداء۔ غرضیکہ عربوں میں محرم الحرام کا مہینہ قدیم زمانے سے سال کا پہلا ہی مہینہ رہتا تھا، لہذا اسلامی سال کو شروع کرتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ اس طرح ہجرت مدینہ منورہ سے نیا اسلامی کیلنڈر تو شروع ہوگیا، مگر مہینوں کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

عاشورہ :

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں دسواں دن۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور برکت کا حامل ہے۔ اِس دن کے مقدس ہونے کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے کچھ صحیح ہیں، جبکہ بعض اسباب کی کوئی دلیل اور بنیاد نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وبرکت کے نزول کے لئے منتخب کیا ہے۔ اسی دن بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا تھا۔

اسی مبارک دن میں نبی اکرم ﷺ کی وفات کے تقریباً ۵۰ سال بعد ۶۱ ہجری میں نبی اکرم ﷺ کے چہیتے نواسے حضرت حسینؓ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے بے شمار فضائل ملتے ہیں مثلاً: حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جنت میں نوجوانوں کے سردار ہیں۔(ترمذی) جو حضرت حسینؓ سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ (ترمذی)

عاشورہ کا روزہ:

جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اُس وقت تک عاشورہ کا روزہ رکھنا فرض تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی، مگر حضور اقدس ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہوجائیگا۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماہ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے ماہ

محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جب بھی عاشورہ کا دن آتا، آپ ﷺ روزہ رکھتے۔لیکن وفات سے پہلے جو عاشورہ کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ۱۰ محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزہ ۹ یا ۱۱ محرم الحرام کو رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔ لیکن اگلے سال عاشورہ کا دن آنے سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں صحابۂ کرام نے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم الحرام کا ایک روزہ ملا کر رکھنے کا اہتمام فرمایا، اور اسی کو مستحب قرار دیا اور صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا خلافِ اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشورہ کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشورہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ ﷺ کی خواہش ۲ روزے رکھنے کی تھی اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہی ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

اس طرح عاشورہ کے روزے رکھنے کی ۴ شکلیں بنتی ہیں:

۱) ۹، ۱۰ اور ۱۱ تینوں دن روزے رکھ لیں۔
۲) ۹ اور ۱۰ دو دن روزہ رکھ لیں۔
۳) ۱۰ اور ۱۱ دو دن روزہ رکھ لیں۔
۴) اگر کسی وجہ سے ۲ روزے نہیں رکھ سکتے تو صرف ایک روزہ عاشورہ کے دن رکھ لیں۔

خواتین کے خصوصی مسائل

۱۔ حیض ونفاس کے مسائل:

شریعت اسلامیہ میں حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کے رحم (بچہ دانی) کے اندر سے متعینہ اوقات میں بغیر کسی بیماری کے نکلتا ہے۔ چونکہ یہ خون تقریباً ہر ماہ آتا ہے، اس لئے اس کو ماہواری (MC) بھی کہتے ہیں۔ اس خون کو اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کے لئے مقدر کردیا ہے۔ حمل کے دوران یہی خون بچہ کی غذا بن جاتا ہے۔ لڑکی کے بالغ ہونے (۱۲۔۱۳ سال کی عمر) سے تقریباً ۵۰۔۵۵ سال کی عمر تک یہ خون عورتوں کو آتا رہتا ہے۔ حیض کی کم از کم، اور زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق علماء کی رائے متعدد ہیں، البتہ عموماً اس کی مدت ۳ دن سے ۱۰ دن تک رہتی ہے۔

نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو رحم مادر سے بچہ کی ولادت کے وقت اور ولادت کے بعد خارج ہوتا ہے۔ نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، (ایک دو روز میں بھی بند ہو سکتا ہے) اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ۴۰ دن ہے۔ (مسلم، ابوداود، ترمذی) لہذا ۴۰ دن سے پہلے جب بھی عورت پاک ہوجائے، یعنی اس کا خون آنا بند ہو جائے، تو وہ غسل کر کے نماز شروع کردے۔ خون بند ہو جانے کے بعد بھی ۴۰ دن تک انتظار کرنا اور نماز وغیرہ سے رکے رہنا غلط ہے۔

حیض یا نفاس والی عورتوں کے لئے مندرجہ ذیل امور ناجائز ہیں :

A) ان دونوں حالت میں صحبت کرنا۔ (سورۃ البقرہ ۲۲۲) البتہ ان ایام میں سوائے مجامعت کے ہر جائز شکل میں استمتاع کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

سوائے مجامعت (ہم بستری) کے ہر کام کر سکتے ہو (مسلم)

B) نماز اور روزہ کی ادائیگی۔ (مسلم) حیض سے پاک وصاف ہوجانے کے بعد عورت روزے کی قضا کرے گی، لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی۔ (بخاری ومسلم) نماز روزہ میں فرق کی وجہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ پھر بھی علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز ایسا عمل ہے جس کی بار بار تکرار ہوتی ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ مشقت اور پریشانی سے بچنے کے لئے اس کی قضا کا حکم نہیں دیا گیا، لیکن روزہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے (سال میں صرف ایک مرتبہ اس کا وقت آتا ہے) لہٰذا روزہ کی قضا کا حکم دیا گیا۔

C) قرآن کریم بغیر کسی حائل (کپڑے) کے چھونا۔ قرآن کریم کو صرف پاکی کی حالت میں ہی چھوا جاسکتا ہے، لہٰذا ناپاکی کے ایام میں عورت کسی کپڑے مثلاً باہری غلاف کے ساتھ ہی قرآن کو چھوئے۔ (سورۃ الواقعہ ۷۹، نسائی)

D) بیت اللہ کا طواف کرنا۔ (بخاری ومسلم) البتہ سعی (صفا مروہ پر دوڑنا) ناپاکی کی حالت میں کی جاسکتی ہے۔ (بخاری)

E) مسجد میں داخل ہونا۔ (ابوداؤد) اگر عورت مسجد حرام یا کسی دوسری مسجد میں ہے اور ناپاکی کا وقت شروع ہوگیا تو عورت کو چاہئے کہ فوراً مسجد سے باہر نکل جائے، البتہ صفا مروہ یا مسجد حرام کے باہر صحن میں کسی جگہ بیٹھ سکتی ہے۔

F) بغیر چھوئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ (ابوداؤد) اس سلسلہ میں علماء کی رائے مختلف ہیں، البتہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان ایام میں قرآن کریم کی تلاوت بغیر دیکھے بھی نہ کی جائے۔ البتہ قرآن کریم میں وارد اذکار اور دعائیں ان ایام میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

﴿ نوٹ ﴾

☆ میاں بیوی کا حیض کی حالت میں صحبت کرنا، اور پیچھے کے راستے کو کسی بھی وقت اختیار کرنا حرام ہے۔

☆ حیض (ماہواری MC) کو وقتی طور پر روکنے والی دوائیں استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

☆ حیض یا نفاس والی عورت کا خون جس نماز کے وقت شروع ہوا، اگر خون شروع ہونے سے قبل نماز کی ادائیگی نہ کرسکی تو پھر اس نماز کی قضا اس پر واجب نہیں ہے۔ البتہ جس نماز کے وقت میں خون بند ہوگا، غسل کر کے اس نماز کی ادائیگی اس کے ذمہ ہوگی۔

۲۔ استحاضہ کے مسائل:

حیض یا نفاس کے علاوہ بیماری کی وجہ سے بھی عورت کو کبھی کبھی خون آجاتا ہے جسکو استحاضہ کہا جاتا ہے۔ اس بیماری کے خون (استحاضہ) کے نکلنے سے وضو تو ٹوٹ جاتا ہے، مگر نماز اور روزہ کی ادائیگی اس عورت کے لئے معاف نہیں ہے۔ نیز ان بیماری کے ایام میں صحبت بھی کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

﴿ نوٹ ﴾

☆ اگر کسی عورت کو بیماری کا خون ہر وقت آنے لگے یعنی خون کے قطرے ہر وقت نکل رہے ہیں کہ تھوڑا سا وقت بھی نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں مل پا رہا ہے تو اس کا حکم اس شخص کی طرح ہے جس کو ہر وقت پیشاب کے قطرات گرنے کی بیماری ہوجائے کہ وہ ایک وقت کے لئے وضو کرے، اور اس وقت میں جتنی چاہے نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے، دوسری نماز کا وقت شروع ہونے پر اس کو دوسرا وضو کرنا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

۳۔ مانع حمل کے ذرائع کا استعمال :

شریعت اسلامیہ نے اگرچہ نسلوں کو بڑھانے کی ترغیب دی ہے، لیکن پھر بھی ایسے اسباب اختیار کرنے کی اجازت دی ہے جس سے وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے، مثلاً دواؤں یا کنڈوم کا استعمال، یا عزل کرنا (منی کو شرمگاہ کے باہر نکالنا)۔ (بخاری)

٤۔ اسقاط حمل (Abortion) :

☆ اگر حمل ٹھہر جائے تو اسقاط حمل جائز نہیں ہے۔(بنی اسرائیل ۳۱، الانعام ۱۵۱)

☆ البتہ شرعی وجہ جواز پائے جانے کی صورت میں بہت ہی نہایت محدود دائرہ میں حمل کا اسقاط جائز ہے۔

☆ چار مہینے مکمل ہوجانے کے بعد حمل کا اسقاط بالکل حرام ہے، کیونکہ وہ ایک جان کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

☆ اگر کسی وجہ سے حمل کے برقرار رہنے سے ماں کی جان کو خطرہ ہوجائے تو ماں کی زندگی کو بچانے کے لئے چار ماہ کے بعد بھی اسقاط حمل جائز ہے۔ یہ محض دو ضرر میں سے بڑے ضرر کو دور کرنے، اور دو مصلحتوں میں سے بڑی مصلحت کو حاصل کرنے کے لئے اجازت دی گئی ہے۔

۵۔ رضاعت (دودھ پلانے) سے حرمت کا مسئلہ:

اگر کوئی عورت کسی دو سال سے کم عمر کے بچے کو اپنا دودھ پلا دے تو وہ دونوں ماں بیٹے کے حکم میں ہوجاتے ہیں، لیکن قرآن وحدیث کی روشنی میں جمہور علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رضاعت (دودھ پلانے) کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے نے دودھ پیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾
جن عورتوں کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہے وہ اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں۔ (سورۃ البقرۃ ۲۳۳)

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رضاعت سے حرمت صرف اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ رضاعت (دودھ پلانا) دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔ (ترمذی) یعنی دودھ پلانے سے ماں بیٹے کا رشتہ اسی وقت ہوگا جبکہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے کو دودھ پلایا جائے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: حدیث صحیح ہے اور صحابۂ کرام کا عمل بھی یہی تھا کہ رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوگی جب دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے نے دودھ پیا ہو۔ دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد کسی مرد کو دودھ پلانے سے کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (ترمذی)

امام ابوحنیفہؒ نے اگرچہ ڈھائی سال تک بچے کو دودھ پلانے کی گنجائش رکھی ہے، البتہ علماء احناف کا فتویٰ دو سال تک ہی دودھ پلانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا دودھ پی لے تو اس سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، البتہ ایسا کرنے سے بچنا چاہئے۔ صحابۂ کرام کے زمانے سے آج تک امت مسلمہ کے 99.99% محدثین، مفسرین، مفکرین، فقہاء نیز چاروں امام اور جمہور علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کسی مرد کو عورت کا دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، یعنی دونوں کے درمیان کسی بھی شکل میں ماں بیٹے کا رشتہ نہیں بن سکتا، اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے کو دودھ پلایا جائے۔

اسلام اور ضبط ولادت (Birth Control in Islam)

قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ضبط ولادت (Birth Control) پر ایک تفصیلی مضمون انگریزی میں تحریر کرچکا ہوں، مگر بعض شک وشبہات کو دور کرنے کے لئے چند سطریں مزید تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ضبط ولادت کو سمجھنے والا بنائے۔

اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک تمام مفسرین، محدثین، فقہاء، دانشور اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر میاں بیوی دو یا تین سے زیادہ بچے رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کو ایک یا دو بچے رکھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اولاد کی کثرت مطلوب ہے، جیسا کہ انگریزی کے مضمون میں مکمل حوالوں کے ساتھ احادیث تحریر کرچکا ہوں اور ان احادیث کے صحیح ہونے پر تقریباً تمام ہی مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں، نیز نبی اکرم ﷺ سے کسی ایک موقع پر بھی بچوں کو کم پیدا کرنے کی کوئی ترغیب دور دور تک کہیں نہیں ملتی حالانکہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لئے بہت زیادہ شفیق اور رحم کرنے والے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی امت مسلمہ کو زیادہ بچے کرنے کی ترغیب دی کہ آپ ﷺ کی چار لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے سامنے صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کے آپ ﷺ سے بھی زیادہ بچے پیدا ہوئے لیکن آپ ﷺ نے کسی ایک صحابی کو ایک مرتبہ بھی یہ نہیں کہا کہ اب بس کرو، اور ان ہی کی تربیت کرلو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اصل وبنیادی مقصد لوگوں کی تربیت ہی تھا۔ معلوم ہوا کہ کثرت اولاد بچوں کی بہترین تربیت سے مانع نہیں ہے، اگر ہے تو حضور اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کو کثرت اولاد سے کیوں نہیں روکا؟ حضور اکرم ﷺ کی زندگی نہ صرف صحابۂ کرام کے لئے نمونہ تھی بلکہ

قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے بہترین اسوہ (نمونہ) ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ: اس زمانے میں ضبط ولادت پر زیادہ تر عمل شہروں میں اور مالداروں میں ہو رہا ہے، جس سے ان کے بچے بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں جس کو دیکھ کر مغربی تہذیب سے متاثر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کم بچوں کے ہونے کا نتیجہ ہے، حالانکہ یہ ضبط ولادت کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ تو پہلے سے ہی خوشحال تھے۔ اگر کم اولاد کی وجہ سے خوشحالی آئی ہوتی تو دیہات میں کسی غریب شخص کے ایک یا دو بچے ہونے کی صورت میں اس شخص کی زندگی کا معیار ان شہر والوں اور مالداروں کی طرح یا ان سے زیادہ بہتر ہو جاتا جن کے دو سے زیادہ بچے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ کم بچے خوشحالی کا یقینی ذریعہ نہیں ہے۔

اسلام میں بہترین تربیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لڑکا ڈاکٹر یا انجینئر بن جائے خواہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے واقف ہو یا نہ ہو۔ اسلامی تربیت کے لئے اسلام کے بنیادی احکام سے واقفیت اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ ڈاکٹر ہو یا انجینئر، کسی یونیورسٹی کا پروفیسر ہو یا کسی دیہات میں قاعدہ بغدادی پڑھانے والا، بڑا تاجر ہو یا سبزی فروش۔

ضبط ولادت (Birth Control) کے سلسلہ میں زمانۂ قدیم سے علماء، فقہاء اور مفکرین کی تین رائے چلی آرہی ہیں:

۱) ضبط ولادت کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس کی دلیل کے لئے سورۂ انعام کی ۱۵۱ ویں آیت پیش کی جاتی ہے۔

۲) ضبط ولادت کی گنجائش ہے، یعنی اگر کوئی شخص مانع حمل کے اسباب اختیار کرنا چاہے تو جائز ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابۂ کرام کو عزل کرنے (ضبط ولادت کا ایک طریقہ) سے منع نہیں فرمایا۔ (بخاری)

۴) ضبط ولادت مفلسی کے ڈر سے حرام ہے یعنی یہ سوچ کر کہ ہمارے بچوں کو کون کھلائے گا۔ لیکن دیگر صورتوں میں جائز ہے۔ ﴿نوٹ﴾: Abortion کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں اگر ماں کی جان کو خطرہ ہو جائے تب Abortion کرایا جا سکتا ہے۔

ضبط ولادت کی تحریک کی ابتداء ۱۷۹۸ میں یورپ کے مشہور ماہر معاشیات مالتھوس (Malthus) نے شروع کی تھی۔ جس کے غلط نتائج سامنے آئے اور آرہے ہیں جس کا تفصیلی تجزیہ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب (اسلام اور ضبط ولادت) میں کیا ہے۔ جس کا اعتراف خود مستشرقین نے کیا ہے اور کررہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اس ۱۵۹ صفحات پر مشتمل کتاب کے ذریعہ امت مسلمہ کو یہی دعوت دی ہے کہ ضبط ولادت (Birth Control) مغربی تہذیب کی دین ہے، اور ضبط ولادت کی موجودہ شکل اسلامی روح کے خلاف ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنی کتاب "ضبط ولادت" (Birth Control) میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے تک ہمارے معاشرہ میں ضبط ولادت پر کوئی خاص عمل نہیں تھا۔ اب ہمارے معاشرہ میں خاص کر شہروں میں اس کا رواج شروع ہو گیا ہے حتی کہ مغرب سے متاثر بعض لوگ رسول اکرم ﷺ کی خواہش کے برخلاف زیادہ بچے پیدا کرنے کو غلط قرار دینے لگے ہیں، اور اس کے لئے ایسے ایسے عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک سارے انسان ایک بڑی غلطی کے مرتکب تھے۔

﴿خلاصۂ کلام﴾: آپ کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ آپ وقتی طور پر مانع حمل کے اسباب اختیار کر کے دو یا تین بچوں پر اس سلسلہ کو موقوف کر سکتے ہیں۔ مگر کوئی شخص زیادہ بچے رکھنا چاہے تو آپ اسے حقارت کی نگاہ سے نہیں بلکہ عزت کی نگاہوں سے دیکھیں۔

پیدائش کے وقت کان میں اذان اور اقامت

شریعت اسلامیہ نے بچے کی پیدائش کے وقت جن احکام شرعیہ سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا ہے ان میں سے ایک ولادت کے فوراً بعد بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا ہے۔

☆ حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں: جب حضرت حسن بن علیؓ کی پیدائش ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کے کان میں اذان کہی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کی پیدائش کے وقت ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ (بیہقی)

☆ حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچے کی پیدائش کے وقت دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے تو ام صبیان سے حفاظت ہوتی ہے۔ (بیہقی)

ام صبیان سے مراد ایک ہوا ہے جس سے بچے کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس سے مراد جن لیا ہے اور کہا ہے کہ بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

اذان اور اقامت کہنے کی بعض حکمتیں:

1) ولادت کے وقت اذان کہنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بچے کے کانوں میں سب سے پہلے اس ذات اقدس کا نام نامی داخل ہوتا ہے جس نے ایک حقیر قطرہ سے ایک ایسا خوبصورت انسان بنادیا، جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

۲) احادیث (بخاری ومسلم) میں آتا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات سن کر شیطان دور بھاگتا ہے۔ چونکہ بچے کی پیدائش کے وقت شیطان بھی گھات لگا کر بیٹھتا ہے تو اذان اور اقامت کی آواز سنتے ہی اس کے اثر میں کمی واقع ہوتی ہے۔

۳) دنیا دار الامتحان ہے اس لئے یہاں آتے ہی بچے کو سب سے پہلے دین اسلام اور عبادت الٰہی کا درس دیا جاتا ہے۔

نوٹ: بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کے متعلق روایات میں ضعف ضرور موجود ہے لیکن متعدد شواہد کی بناپر ان احادیث کو تقویت مل جاتی ہے۔ نیز ابتدا سے ہی امت مسلمہ کا عمل اس پر رہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیکر فرمایا کہ امت مسلمہ کا عمل بھی اس پر چلا آرہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہمیں بچے کی پیدائش کے وقت حتی الامکان داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت ضرور کہنی چاہئے جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب "تحفۃ الودود فی احکام المولود" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ عبدالعزیز بن بازؒ ودیگر علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی بچے کی ولادت کے وقت اذان اور اقامت کے کلمات نہیں کہے گئے تو بعد میں بھی یہ کلمات کہے جاسکتے ہیں، لیکن اگر زیادہ ہی عرصہ گزر گیا تو پھر اذان اور اقامت کے کلمات کہنے کی ضرورت نہیں۔

عقیقہ کے مسائل

عقیقہ کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں نومولود بچہ / بچی کی جانب سے اُنکی پیدائش کے ساتویں دن جو خون بہایا جاتا ہے اسے عقیقہ کہتے ہیں۔عقیقہ کرنا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام سے صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

اس کے چند اہم فوائد یہ ہیں:

☆ زندگی کی ابتدائی سانسوں میں نومولود بچہ / بچی کے نام سے خون بہا کر اللہ تعالیٰ سے اس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ ☆ یہ اسلامی Vaccination ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض پریشانیوں، آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل جاتی ہے۔ (ہمیں دنیاوی Vaccinations کے ساتھ اس Vaccination کا بھی اہتمام کرنا چاہئے)۔ ☆ بچہ / بچی کی پیدائش پر جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، خوشی کا اظہار ہو جاتا ہے۔ ☆ بچہ / بچی کا عقیقہ کرنے پر کل قیامت کے دن باپ بچہ / بچی کی شفاعت کا مستحق بن جائے گا، جیسا کہ حدیث نمبر ۲ میں ہے۔ ☆ عقیقہ کی دعوت سے رشتے دار، دوست واحباب اور دیگر متعلقین کے درمیان تعلق بڑھتا ہے، جس سے ان کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔

عقیقہ کے متعلق چند احادیث:

۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچہ / بچی کے لئے عقیقہ ہے، اس کی جانب سے تم خون بہاؤ، اور اس سے گندگی (سر کے بال) کو دور کرو۔ (بخاری)

۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ / بچی اپنا عقیقہ ہونے تک گروی ہے۔ اس کی جانب سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے، اس دن اس کا نام رکھا جائے اور سر منڈوایا جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان: کل غلام مرتہن بعقیقتہ کی شرح علماء نے بیان کی ہے کہ کل قیامت کے دن بچہ / بچی کو باپ کے لئے شفاعت کرنے سے روک دیا جائے گا، اگر باپ نے استطاعت کے باوجود بچہ / بچی کا عقیقہ نہیں کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان بچہ / بچی کا عقیقہ کرنا چاہئے۔

۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

۴) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا ہے۔ عقیقہ کے جانور مذکر ہوں یا مؤنث، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی بکرا یا بکری جو چاہیں ذبح کر دیں۔ (ترمذی، مسند احمد)

۵) رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا عقیقہ ساتویں دن کیا، اسی دن ان کا نام رکھا اور حکم دیا کہ ان کے سروں کے بال مونڈھ دئے جائیں (ابوداؤد)۔

ان مذکورہ و دیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ بچہ / بچی کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا، بال منڈوانا، نام رکھنا اور ختنہ کرانا سنت ہے۔ لہذا باپ کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنے نومولود بچہ / بچی کا عقیقہ کرسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس سنت کو ضرور زندہ کرے تاکہ عند اللہ اجر عظیم کا مستحق بنے، نومولود بچہ / بچی کو اللہ کے حکم سے بعض آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل سکے، نیز کل قیامت کے دن بچہ / بچی کی شفاعت کا مستحق بن سکے۔

کیا ساتویں دن عقیقہ کرنا شرط ہے؟

عقیقہ کرنے کے لئے ساتویں دن کا اختیار کرنا مستحب ہے۔ ساتویں دن کو اختیار کرنے کی اہم وجہ یہ ہے کہ زمانہ کے ساتوں دن بچہ / بچی پر گزر جاتے ہیں۔ لیکن اگر ساتویں دن ممکن

نہ ہوتو ساتویں دن کی رعایت کرتے ہوئے چودھویں یا اکیسویں دن کرنا چاہئے، جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا فرمان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ساتویں دن کے بجائے چوتھے یا آٹھویں یا دسویں دن یا اس کے بعد کبھی بھی عقیقہ کرے تو یقیناً عقیقہ کی سنت ادا ہوجائے گی، اس کے فوائد انشاء اللہ حاصل ہوجائیں گے، اگرچہ عقیقہ کا مستحب وقت چھوٹ گیا۔

کیا بچہ / بچی کے عقیقہ میں کوئی فرق ہے؟

بچہ / بچی دونوں کا عقیقہ کرنا سنت ہے، البتہ احادیث کی روشنی میں صرف ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کے عقیقہ کے لئے دو اور بچی کے عقیقہ کے لئے ایک بکرا / بکری ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس بچہ کے عقیقہ کے لئے دو بکرے ذبح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ ایک بکرے سے بھی عقیقہ کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت ابوداؤد میں موجود ہے۔

بچہ / بچی کے عقیقہ میں فرق کیوں رکھا گیا؟

اسلام نے عورتوں کو معاشرہ میں ایک ایسا اہم اور باوقار مقام دیا ہے جو کسی بھی ساوی یا خود ساختہ مذہب میں نہیں ملتا، لیکن پھر بھی قرآن کی آیات ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (سورۃ النساء ۳۴) و احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے مردوں کو عورتوں پر کسی درجہ میں فوقیت دی ہے، جیسا کہ دنیا کے وجود سے لے کر آج تک ہر قوم میں اور ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً حمل وولادت کی تمام تر تکلیفیں اور مصیبتیں صرف عورت ہی جھیلتی ہے۔ لہٰذا شریعت اسلامیہ نے بچہ کے عقیقہ کے لئے دو اور بچی کے عقیقہ کے لئے ایک خون بہانے کا جو حکم دیا ہے، اس کی حقیقت خالق کائنات ہی بہتر

جاتا ہے۔

عقیقہ میں بکرا / بکری کے علاوہ دیگر جانور مثلاً اونٹ گائے وغیرہ کو ذبح کیا جاسکتا ہے؟

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث نمبر (۱ اور ۲) کی روشنی میں بکرا / بکری کے علاوہ اونٹ گائے کو بھی عقیقہ میں ذبح کر سکتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں عقیقہ میں خون بہانے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے بکرا / بکری کی کوئی شرط نہیں رکھی، لہذا اونٹ گائے کی قربانی دے کر بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز عقیقہ کے جانور کی عمر وغیرہ کے لئے تمام علماء نے عید الاضحی کی قربانی کے جانور کے شرائط تسلیم کئے ہیں۔

کیا اونٹ گائے کے حصہ میں عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟

اگر کوئی شخص اپنے ۲ لڑکوں اور ۲ لڑکیوں کا عقیقہ ایک گائے کی قربانی میں کرنا چاہے، یعنی قربانی کی طرح حصوں میں عقیقہ کرنا چاہے، تو اس کے جواز سے متعلق علماء کا اختلاف ہے، ہمارے علماء نے قربانی پر قیاس کرکے اس کی اجازت دی ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس طریقہ پر عقیقہ نہ کیا جائے بلکہ ہر بچہ / بچی کی طرف سے کم از کم ایک خون بہایا جائے۔

کیا عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑکر کھا سکتے ہیں؟

بعض احادیث اور تابعین کے اقوال کی روشنی میں بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے گوشت کے احترام کے لئے جانور کی ہڈیاں جوڑوں ہی سے کاٹ کر الگ کرنی چاہئیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے اس موضوع سے متعلق کوئی ایسا اصول وضابطہ نہیں بنایا ہے کہ جس کے خلاف عمل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ احادیث اور تابعین کے اقوال بہتر وافضل عمل کو ذکر کرنے کے متعلق ہیں۔ لہذا اگر آپ ہڈیاں توڑ کر بھی گوشت بنا کر کھانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ ہندوستان اور پاکستان میں عموماً گوشت چھوٹا چھوٹا کرکے یعنی ہڈیاں

توڑ کر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

کیا بالغ مرد وعورت کا بھی عقیقہ جا سکتا ھے؟

جس شخص کا عقیقہ بچپن میں نہیں کیا گیا، جیسا کہ عموماً ہندوستان اور پاکستان میں عقیقہ چھوڑ کر چھٹی وغیرہ کرنے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ غلط ہے۔ لیکن اب بڑی عمر میں اس کا شعور ہو رہا ہے تو وہ یقیناً اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، کیونکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا (اخرجہ ابن حزم فی "المحلی"، والطحاوی فی "المشکل")۔ نیز احادیث میں کسی بھی جگہ عقیقہ کرنے کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بڑی بچی کے سر کے بال منڈوانا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں بال نہ کٹوائیں، کیونکہ بال کٹوائے بغیر بھی عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

دیگر مسائل:

☆ قربانی کے جانور کی طرح عقیقہ کے جانور کی کھال یا تو غرباء ومساکین کو دے دیں یا اپنے گھریلو استعمال میں لے لیں۔

☆ کھال یا کھال کو فروخت کر کے اس کی قیمت قصائی کو بطور اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

☆ قربانی کے گوشت کی طرح عقیقہ کے گوشت کو خود بھی کھا سکتے ہیں اور رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ اگر قربانی کی طرح عقیقہ کے گوشت کے بھی ۳ حصے کر لئے جائیں تو بہتر ہے: ایک اپنے لئے، ایک رشتے داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غریبوں کے لئے، لیکن یہ تین حصے کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

☆ عقیقہ کے گوشت کو پکا کر رشتے داروں کو بلا کر بھی کھلا سکتے ہیں، اور کچا گوشت بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

نوٹ: اگر بچہ / بچی کی پیدائش جمعہ کے روز ہوئی ہے تو ساتواں دن جمعرات ہوگا۔

بیٹی اللہ کی رحمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ، یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۔ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ﴾ (سورۃ الشوریٰ ۴۹۔۵۰)۔

آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ اس کے ہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور نہ لڑکی پیدا ہوتی ہے، لاکھ کوشش کرے مگر اولاد نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔جس کے لئے جو مناسب سمجھتا ہے وہ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔لڑکیاں اور لڑکے دونوں اللہ کی نعمت ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں دونوں کی ضرورت ہے۔ عورتیں مرد کی محتاج ہیں، اور مرد عورتوں کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں ایسا نظام قائم کیا ہے کہ جس میں دونوں کی ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

اللہ کی اس حکمت اور مصلحت کی روشنی میں جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہم میں سے بعض احباب ایسے نظر آئیں گے کہ جن کے یہاں لڑکے کی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں کی جاتی ہیں، جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بہت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔اور اگر لڑکی پیدا ہو جائے تو خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات بچی کی پیدائش پر شوہر اپنی بیوی پر، اسی طرح گھر کے دیگر افراد عورت پر ناراض ہوتے ہیں، حالانکہ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی عطا ہے۔کسی کو ذرہ برابر بھی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ لڑکیوں کو کم تر سمجھنا زمانۂ جاہلیت کے کافروں کا عمل تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ ﴿ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ خوب سن لو کہ وہ (کفار مکہ) بہت برا فیصلہ کرتے ہیں﴾۔ (سورۃ النحل ۵۸۔۵۹) لہٰذا ہمیں بیٹی کے پیدا ہونے پر بھی یقیناً خوشی و مسرت کا اظہار کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش پر جتنے فضائل بیان فرمائے ہیں، بیٹے کی پرورش پر اس قدر بیان نہیں فرمائے۔ لڑکیوں کی پرورش کے فضائل سے متعلق چند احادیث:

☆ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے زندگی گزارے (یعنی ان کے جو حقوق شریعت نے مقرر فرمائے ہیں وہ ادا کرے، ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا معاملہ کرے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے) اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (ترمذی۔ باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات)

☆ اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ سے بھی مروی ہے مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد فرمانے پر کسی نے سوال کیا کہ اگر کسی کی ایک بیٹی ہو (تو کیا وہ اس ثواب عظیم سے محروم رہے گا؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایک بیٹی کی اسی طرح پرورش کرے گا، اس کے لئے بھی جنت ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین)

☆ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری ہو اور وہ اس کو صبر و تحمل سے انجام دے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ (ترمذی)

☆ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی دو یا تین

بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی اچھے انداز سے پرورش کرے (اور جب شادی کے قابل ہوجائیں تو ان کی شادی کردے) تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح داخل ہونگے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ (ترمذی۔باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات)

☆ حضرت عائشہؓ سے ایک قصہ منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک خاتون میرے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، اس خاتون نے مجھ سے کچھ سوال کیا، اس وقت میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کچھ نہیں تھا، وہ کھجور میں نے اس عورت کو دیدی، اس اللہ کی بندی نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کے ہاتھ پر رکھدیا، خود کچھ نہیں کھایا، حالانکہ خود اسے بھی ضرورت تھی، اس کے بعد وہ خاتون بچیوں کو لے کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس خاتون کے آنے اور ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے بچیوں کو دینے کا پورا واقعہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جس کو دو بچیوں کی پرورش کرنے کا موقع ملے اور وہ ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے تو وہ بچیاں اس کو جہنم سے بچانے کے لئے آڑ بن جائیں گی۔ (ترمذی)

وضاحت: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی شریعت اسلامیہ کے مطابق تعلیم وتربیت اور پھر ان کی شادی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین فضیلتیں حاصل ہوں گی:

۱) جہنم سے چھٹکارا ۲) جنت میں داخلہ ۳) جنت میں حضور اکرم ﷺ کی ہمراہی۔

قرآن کی آیات ودیگر احادیث کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مطابق اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت وہی کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا (ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتا ہے)۔

حضور اکرم کا طرز عمل:

حضور اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں: حضرت فاطمہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، اور حضرت

ام کلثومؓ۔آپ ﷺ اپنی چاروں بیٹیوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی تین بیٹیوں کا انتقال آپ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا جبکہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوا۔آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں جنت البقیع میں مدفون ہیں۔حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ بہت ہی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔آپ ﷺ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملتے،اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے۔

مسئلہ: جہاں تک محبت کا تعلق ہے،اس کا تعلق دل سے ہے اور اس میں انسان کو اختیار نہیں ہے،اس لئے اس میں انسان برابری کرنے کا مکلف نہیں ہے۔یعنی کسی ایک بچہ یا بچی سے محبت زیادہ کرسکتا ہے۔مگر اس محبت کا اتنا اظہار کرنا جس سے دوسرے بچوں کو احساس ہو منع ہے۔

مسئلہ: اولاد کو ہدیہ اور تحفہ دینے میں برابری ضروری ہے۔ لہٰذا ماں باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اگر پیسے یا کپڑا یا کھانے پینے کی کوئی چیز تقسیم کریں تو اس میں برابری ضروری ہے۔اور لڑکی کو بھی اتنا ہی دیں جتنا لڑکے کو دیں۔شریعت کا یہ حکم کہ لڑکی کا لڑکے کے مقابلے میں آدھا حصہ ہے،یہ حکم باپ کے انتقال کے بعد اس کی میراث میں ہے۔ زندگی کا قاعدہ یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دیا جائے۔

مسئلہ: اگر ماں باپ کو ضرورت کے موقع پر اولاد میں کسی ایک پر کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑے،تو کوئی حرج نہیں ہے،مثلاً بیماری،تعلیم اور اسی طرح کوئی دوسری ضرورت ہو تو خرچ کرنے میں کمی بیشی کرنے میں کوئی گناہ اور پکڑ نہیں ہے۔لہٰذا حسب ضرورت کمی بیشی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: بیٹی کی شادی کے بعد بھی بیٹی کا حق میراث ختم نہیں ہوتا۔یعنی باپ کے انتقال کے بعد بھی،وہ باپ کی جائیداد میں شریک رہتی ہے۔

والدین کی فرمانبرداری

قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی توحید وعبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت ان کی خدمت اوران کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔احادیث میں بھی والدین کی فرمانبرداری کی خاص اہمیت وتاکیداور اسکی فضیلت بیان کی گئی ہے۔اس موضوع سے متعلق بعض آیات اوراحادیث کا ترجمہ لکھ رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کووالدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا بنائے۔ان کی فرمانبرداری کرنے والا بنائے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کما حقہ ادا کرنے والا بنائے۔

آیات قرآنیہ:

☆ اورتیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔ اور عاجزی ومحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا۔ اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ (بنی اسرائیل ۲۳، ۲۴)

☆ اور تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اوراس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔۔۔۔۔ (سورۃ النساء ۳۶)

☆ ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔ (سورۃ العنکبوت ۸)

احادیث شریفہ:

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کی فرمانبرداری۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کرنے کے لئے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے کہا: (الحمدللہ) دونوں حیات ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: کیا تو واقعی اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کا طالب ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: اپنے والدین کے پاس جا اور ان کی خدمت کر۔ (مسلم)

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہاری ماں۔ اس شخص نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہارا باپ۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔

چنانچہ تمہیں اختیار ہے خواہ (اس کی نافرمانی کر کے اور دل دکھا کے) اس دروازہ کو ضائع کر دو یا (اس کی فرمانبرداری اور اس کو راضی رکھ کر) اس دروازہ کی حفاظت کرو۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کے رزق کو بڑھا دیا جائے اس کو چاہئے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرمائیں گے۔ (مستدرک حاکم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کون ذلیل وخوار ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت کے ذریعہ) جنت میں داخل نہ ہو۔ (مسلم)

قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ والدین کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ لہذا ہمیں والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ خاص کر جب والدین یا دونوں میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو کجا ان کو اُف تک نہیں کہنا چاہئے بلکہ ادب واحترام اور محبت وخلوص کے ساتھ ان کی خدمت کرنی چاہئے۔

والدین کے حقوق

قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء نے والدین کے حسب ذیل بعض حقوق مرتب کئے ہیں،
اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق ادا کرنے والا بنائے :

دوران حیات حقوق:

☆ ان کا ادب واحترام کرنا۔ ☆ ان سے محبت کرنا۔ ☆ ان کی فرمانبرداری کرنا۔
☆ ان کی خدمت کرنا۔ ☆ ان کو حتی الامکان آرام پہنچانا۔ ☆ ان کی ضروریات
پوری کرنا۔☆ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرنا۔

بعد از وفات حقوق:

☆ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی دعائیں کرنا۔ ☆ ان کی جانب سے
ایسے اعمال کرنا جن کا ثواب ان تک پہنچے۔☆ ان کے رشتے دار، دوست ومتعلقین کی
عزت کرنا۔ ☆ ان کے رشتے دار، دوست ومتعلقین کی حتی الامکان مدد کرنا۔ ☆ ان کی
امانت وقرض ادا کرنا۔☆ ان کی جائز وصیت پر عمل کرنا۔ ☆ کبھی کبھی ان کی قبر پر جانا۔
اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو بھی ان حقوق کی ادائیگی کرنے والا بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی
رضا والے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والدین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے درمیان مساوات قائم رکھیں اور ان کے حقوق کی
ادائیگی کریں۔عموماً غیر شادی شدہ اولاد سے محبت کچھ زیادہ ہو جاتی ہے، جس پر پکڑ نہیں ہے،
لیکن بڑی اولاد کے مقابلے میں چھوٹی اولاد کو معاملات میں ترجیح دینا مناسب نہیں ہے، جس
کی وجہ سے گھریلو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اولاد گھر وغیرہ کے اخراجات کے لئے باپ کو
رقم دیتی ہے تو اس کا صحیح استعمال ہونا چاہئے۔

مَحْرَم کا بیان

(یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے)

سورۃ النساء کی ۲۳ ویں اور ۲۴ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نسبی رشتے:

- ☆ ماں (حقیقی ماں یا سوتیلی ماں، اسی طرح دادی یا نانی)
- ☆ بیٹی (اسی طرح پوتی یا نواسی)
- ☆ بہن (حقیقی بہن، ماں شریک بہن، باپ شریک بہن)
- ☆ پھوپھی (والد کی بہن خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
- ☆ خالہ (ماں کی بہن خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
- ☆ بھتیجی (بھائی کی بیٹی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
- ☆ بھانجی (بہن کی بیٹی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)

رضاعی رشتے:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں سے نسب کی وجہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے بھی انہی رشتوں میں نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (بخاری ، مسلم) غرض رضاعی ماں، رضاعی بیٹی، رضاعی بہن، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں رضاعت سے حرمت اسی صورت میں ہوگی جب کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے دودھ پلایا گیا ہو۔

ازدواجی رشتے:

☆ بیوی کی ماں (ساس)

☆ بیوی کی پہلے شوہر سے بیٹی، لیکن ضروری ہے کہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔

☆ بیٹے کی بیوی (بہو) (یعنی اگر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا مر جائے تو باپ بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں کر سکتا)۔

☆ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا۔ (اسی طرح خالہ اور اسکی بھانجی، پھوپھی اور اسکی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا منع ہے)۔

عام رشتے:

☆ کسی دوسرے شخص کی بیوی (اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کی وجہ سے ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتی ہے)۔

﴿وضاحت﴾:

۱) بیوی کے انتقال یا طلاق کے بعد بیوی کی بہن (سالی)، اسکی خالہ، اسکی بھانجی، اسکی پھوپھی یا اسکی بھتیجی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔

۲) بھائی، ماموں یا چچا کے انتقال یا ان کے طلاق دینے کے بعد بھابھی، ممانی اور چاچی کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا ہے۔

عورت کا جن مردوں سے پردہ نہیں ہے اور ان کے ہمراہ سفر کیا جا سکتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں، جیسا کہ سورۂ النور کی آیت 31 اور سورۂ الاحزاب کی آیت 55 میں مذکور ہے:

نسبی رشتے:

☆ باپ (اسی طرح دادا یا نانا)

☆ بیٹا (اسی طرح پوتا یا نواسا)

☆ بھائی (حقیقی بھائی، ماں شریک بھائی، باپ شریک بھائی)

☆ چچا (والد کے بھائی خواہ سگے ہوں یا سوتیلے)

☆ ماموں (والدہ کے بھائی خواہ سگے ہوں یا سوتیلے)

☆ بھتیجا (بھائی کا بیٹا خواہ سگا ہو یا سوتیلا)

☆ بھانجا (بہن کا بیٹا خواہ سگا ہو یا سوتیلا)

رضاعی رشتے:

رضاعی باپ، رضاعی بیٹا، رضاعی بھائی، رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی بھتیجا اور رضاعی بھانجا۔

ازدواجی رشتے:

☆ شوہر ☆ شوہر کے والد یا دادا ☆ شوہر کی پہلی اور دوسری بیوی کا بیٹا ☆ داماد

وضاحت:

۱) خونی یا رضاعی یا ازدواجی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو اپنے بہنوئی، دیور یا جیٹھ، خالو یا پھوپھا سے شرعی اعتبار سے پردہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ سفر بھی نہیں کرنا چاہئے۔

غرضیکہ مرد اپنی سالی یا بھابی کے ہمراہ سفر نہیں کر سکتا ہے۔

۲) عورتوں کو اپنے چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی سے پردہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ سفر بھی نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ عورت کی اپنے چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی سے شادی ہو سکتی ہے۔

اَنْبِیَاء وَرُسُل

اللہ تعالٰی نے انس وجن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (سورۃ الذاریات ۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔۔۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیا ہے؟ کس طرح کی جائے؟ اس کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اسی کے لئے اللہ تبارک وتعالٰی اپنے بندوں میں سے بعض بندوں کو منتخب فرما کر ان کو وحی کے ذریعہ احکامات بھیجتا ہے کہ کیا کام کرنے ضروری ہیں، کیا کام کئے جاسکتے ہیں اور کن کاموں سے بچنا ہے، غرضیکہ وحی کے ذریعہ زندگی گزارنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام عبادت ہے۔ ان منتخب بندوں کو جو اپنے وقت کے امام، علم وعمل کے مجسم پیکر اور تقوٰی کے علمبردار ہوتے تھے، نبی یا رسول کہا جاتا ہے، جن کی ذمہ داری اللہ کے بندوں کو اپنے قول وعمل سے اللہ تعالٰی کی طرف بلانا ہوتی ہے۔ ان انبیاء ورسل کے واقعات پڑھنے چاہئیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (یوسف ۱۱۱) انبیاء کرام کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔

نبی اور رسول میں کیا فرق ہے، اسکی تشریح میں علماء کے متعدد آراء واقوال ہیں، لیکن تمام مفسرین ومفکرین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے لئے استعمال ہوئے ہیں البتہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔

نبیوں اور رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور نبی اکرم ﷺ پر ختم ہوا، غرضیکہ نبی اکرم ﷺ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ آخری نبی بھی ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے

ارشاد فرمایا: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (سورۃ الاحزاب ۴۰)

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم ﷺ تک آنے والے انبیاء ورسل کی متعین تعداد تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (سورۃ النساء ۱۶۴)

آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں، اور بہت سے رسولوں کے نہیں بیان کئے۔۔۔ لیکن پھر بھی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مشہور ومعروف حدیث، جسمیں ان کے سوال کرنے پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نبیوں کی کل تعداد تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار، اور رسولوں کی کل تعداد ۳۱۳ یا ۳۱۵ ہے۔ (صحیح ابن حبان) کی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ انبیاء کرام کی تعداد صحابۂ کرام کی تعداد کی طرح تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار تھی (واللہ اعلم بالصواب)۔ اس روایت کی سند میں بعض علماء کے نقطہ نظر میں اگرچہ کچھ ضعف موجود ہے، مگر متعدد شواہد کی بناء پر تاریخی حیثیت سے یہ حدیث قبول کی گئی ہے۔

جن نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے ان کی تعداد ۲۵ ہے، ان میں سے ۱۸ کا ذکر تو قرآن کریم (سورۃ الانعام ۸۳۔۸۶) میں ایک ہی جگہ پر ہے۔ جن ۲۵ انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) آدم علیہ السلام (۲) ادریس علیہ السلام (۳) نوح علیہ السلام (۴) ہود علیہ السلام (۵) صالح علیہ السلام (۶) ابراہیم علیہ السلام (۷) لوط علیہ السلام (۸) اسماعیل علیہ السلام (۹) اسحاق علیہ السلام (۱۰) یعقوب علیہ السلام (۱۱) یوسف علیہ السلام (۱۲) ایوب علیہ السلام (۱۳) شعیب علیہ السلام (۱۴) موسیٰ علیہ السلام (۱۵) ہارون علیہ السلام (۱۶) یونس علیہ السلام (۱۷) داؤد علیہ السلام (۱۸)

سلیمان علیہ السلام (۱۹) الیاس علیہ السلام (۲۰) الیسع علیہ السلام (۲۱) ذکریا علیہ السلام (۲۲) یحییٰ علیہ السلام (۲۳) عیسیٰ علیہ السلام (۲۴) ذوالکفل علیہ السلام (اکثر مفسرین کے نزدیک) (۲۵) حضرت محمد ﷺ۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر قرآن میں (سورۃ التوبہ ۳۰) میں آیا ہے لیکن ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے۔ ان ۲۵ انبیاء کرام کے علاوہ تین انبیاء کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ (۱) شیث علیہ السلام (۲) یوشع علیہ السلام (۳) خضر علیہ السلام (ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے)۔

ان انبیاء میں سے پانچ نبی ایک ہی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔

جزیرۂ عرب سے تعلق رکھنے والے انبیاء: آدم علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور محمد ﷺ۔

عراق سے تعلق رکھنے والے انبیاء: ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام۔

شام اور فلسطین سے تعلق رکھنے والے انبیاء: لوط علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، ذوالکفل علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، الیاس علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔

مصر سے تعلق رکھنے والے انبیاء: یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام

اِن ۲۵ انبیاءِ کرام کے قرآن کریم میں ذکر کی تقریبی تعداد:

آدم علیہ السلام: ۲۵	ادریس علیہ السلام: ۲	نوح علیہ السلام: ۴۳	ہود علیہ السلام: ۷
صالح علیہ السلام: ۹	ابراہیم علیہ السلام: ۶۹	لوط علیہ السلام: ۲۷	اسماعیل علیہ السلام: ۱۲
اسحاق علیہ السلام: ۱۷	یعقوب علیہ السلام: ۱۶	یوسف علیہ السلام: ۲۷	ایوب علیہ السلام: ۴
شعیب علیہ السلام: ۱۱	موسیٰ علیہ السلام: ۱۳۶	ہارون علیہ السلام: ۱۹	یونس علیہ السلام: ۶
داؤد علیہ السلام: ۱۶	سلیمان علیہ السلام: ۱۷	الیاس علیہ السلام: ۳	الیسع علیہ السلام: ۲
زکریا علیہ السلام: ۸	یحییٰ علیہ السلام: ۴	عیسیٰ علیہ السلام: ۲۵	ذوالکفل علیہ السلام: ۲

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ: ۵ صراحت کے ساتھ

☆ قرآن میں حضورِ اکرم ﷺ کا ذکر پانچ مرتبہ صراحت کے ساتھ ہوا ہے (محمد کا لفظ چار مرتبہ اور احمد کا لفظ ایک مرتبہ)۔ لفظ رسول اللہ، رسول اور نبی کے ساتھ آپ کا ذکر متعدد جگہوں پر آیا ہے، جبکہ بے شمار جگہوں پر آپ کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ جنت سے ہند کی سرزمین پر اتارے گئے۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے: اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد تمام انبیاءِ کرام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے، سوائے تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی ہیں بندۂ خدا۔ ان ہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام قومِ نوح، حضرت ہود علیہ السلام قومِ عاد، حضرت صالح علیہ السلام قومِ ثمود، حضرت لوط علیہ السلام قومِ لوط اور حضرت موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام قومِ بنو اسرائیل کے مختلف قبائل کی اصلاح کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مختصر سوانح

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً چار ہزار سال قبل عراق میں پیدا ہوئے۔

☆ ان کا والد آزر مذہبی پیشوا تھا، بت بنا کر بیچا کرتا تھا۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمانہ طفولت سے ہی سے بتوں کی عبادت کی مخالفت کی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھل کر بتوں کی مخالفت کے بعد انکو قتل کرنے اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دی گئی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک عبادت گاہ میں گھس کر بڑے بت کے علاوہ تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا واقعہ پیش آیا، جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔۔۔ اور پھر نمرود بادشاہ کے ساتھ مناظرہ ہوا۔

☆ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منطقی جواب پر غور کرنے کے بجائے یہ شاہی فرمان جاری کیا گیا کہ اس کو جلا ڈالو، اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آیا، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہونے کے ساتھ سلامتی اور آرام کی چیز بن گئی۔

☆ اس قوم کی بدنصیبی کی حد یہ تھی کہ اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق چھوڑ کر ملک شام تشریف لے گئے۔

☆ وہاں سے فلسطین چلے گئے، اور وہیں مستقل قیام فرما کر اسی کو دعوت کا مرکز بنایا۔

☆ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت سارہ کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے۔

☆ وہاں کے بادشاہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی اہلیہ حضرت سارہ کی خدمت کے لئے پیش کیا۔

☆ اس وقت تک حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

☆ مصر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر فلسطین واپس تشریف لے لائے۔

☆ حضرت سارہ نے خود حضرت ہاجرہ کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کروادیا۔

☆ بڑھاپے میں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆ کچھ عرصہ بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کے چٹیل میدان میں بیت اللہ کے قریب چھوڑ دیا۔

☆ جب کھانے پینے کے لئے کچھ نہ رہا تو حضرت ہاجرہ بے چین ہوکر قریب کی صفا اور مروہ پہاڑیوں پر پانی کی تلاش میں دوڑیں۔ چنانچہ پانی کا چشمہ زمزم جاری ہوا۔

☆ کچھ مدت کے بعد قبیلہ بنو جرہم کا ادھر سے گزر ہوا۔ پانی کی سہولت دیکھ کر انہوں نے حضرت ہاجرہ سے قیام کی اجازت چاہی، حضرت ہاجرہ نے وہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے، چنانچہ اللہ کے اس حکم کی تکمیل کے لئے فوراً فلسطین سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ جب باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمانبردار بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کا جواب تھا:

ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اسے کر ڈالئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

☆ اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاریخ انسانی کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کا مشاہدہ نہ اس سے پہلے کبھی زمین و آسمان نے کیا، اور نہ اس کے بعد کریں گے۔ اپنے دل کے ٹکڑے کو منہ کے بل زمین پر لٹا دیا، چھری تیز کی، آنکھوں پر پٹی باندھی اور اُس وقت تک پوری طاقت سے چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آگئی۔ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔

☆ اس عظیم امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ دنیا میں میری عبادت کے لئے گھر تعمیر کرو۔ چنانچہ باپ بیٹے نے مل کر بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کی تعمیر کی۔

☆ بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔ حضرت ابراہیم نے حج کا اعلان کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان نہ صرف اس وقت کے زندہ لوگوں تک پہونچا دیا بلکہ عالمِ ارواح میں تمام روحوں نے بھی یہ آواز سنی، جس شخص کی قسمت میں بیت اللہ کی زیارت لکھی تھی اس نے اس اعلان کے جواب میں لبیک کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

خلفاء راشدین کی زندگی کے مختصر احوال

حضور اکرم ﷺ رسالت ونبوت کی عظیم ذمہ داری کا حق کما حقہ ادا کرنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً ۳۰ سال یعنی ۴۰ ہجری تک حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ ۱۱ ہجری سے ۴۰ ہجری تک کا وقت تاریخ میں خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور ان جلیل القدر صحابہ کو خلفاء راشدین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہی خلفاء راشدین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ﴿تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو﴾۔ (ترمذی، ابوداؤد)

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات: ﴿میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہت ہوجائے گی﴾ (ترمذی، مسند احمد)۔ ﴿تمہارے دین کی ابتدا میں نبوت ورحمت ہے پھر خلافت ورحمت ہوگی، پھر بادشاہت وجبریت ہوجائے گی﴾ (سیوطیؒ) کی روشنی میں محدثین ومفکرین اور مؤرخین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد ﴿تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو﴾ سے مراد بھی چار خلفاء ہیں، جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے بعد یہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور خلیفہ نے ایک بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ مؤرخین نے حضرت حسن بن علیؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح سے قبل تقریباً سات ماہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ حضرت حسنؓ کی تقریباً ۷ ماہ کی خلافت کو شمار کرکے ہی تیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو

حکما پانچواں خلیفہ راشد شمار کیا ہے، کیونکہ انہوں نے چاروں خلفاء کے نقش قدم پر چل کر خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں دین اور دنیا کے امور میں سرپرستی کرنے اور شرعی احکامات کا نفاذ کرانے کا نام خلافت ہے۔ راشد کی جمع راشدون اور راشدین آتی ہے جس کے معنی سیدھے راستے پر چلنے والے یعنی ہدایت یافتہ کے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ (خلافت ۱۱ ہجری سے ۱۳ ہجری تک):

آپؓ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ، کنیت ابوبکر، اور واقعہ معراج پر تصدیق کرنے سے لقب صدیق ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے روز ہی حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کی تبلیغ سے بے شمار صحابہ اسلام لائے جن میں بعض اہم نام یہ ہیں: حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ اسلام لانے کے بعد سے موت تک پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ اور احیاء اسلام میں لگادی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپؓ بڑی سخاوت اور فراوانی سے خرچ کرتے تھے، مثلاً بے شمار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جن میں رسول اللہ کے مؤذن حضرت بلالؓ بھی ہیں۔ آپؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد نکاح فرمایا۔ آپؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کی۔ قرآن کریم کی آیت ﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ﴾ (سورۃ التوبہ ۴۰) میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا ذکر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ کی وفات سے قبل چند نمازیں حضرت ابوبکرؓ ہی نے امامت کر کے صحابۂ کرام کو پڑھائیں۔ انتقال کے دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ

مل کر نماز فجر کی امامت کی۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کے مشورہ سے آپ کو خلیفہ متعین کیا گیا۔ آپ کی خلافت کے چند اہم کام یہ ہیں:

☆ حضرت اسامہ بن زید ؓ کے لشکر کو ملک شام روانہ کیا، جو افواج قیصر کو پسپا کر کے فتح یاب ہوا اور صحیح سالم واپس آیا۔

☆ مرتدین، مانعین زکوٰۃ اور دعایان نبوت سے قتال کر کے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تمام فتنوں کو ختم کیا۔

☆ مذکورہ فتنوں کا قلع قمع کرنے میں بے شمار حفاظ کرام شہید ہوئے، چنانچہ آپ ؓ نے قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ۱۳ ہجری میں انتقال ہوا، حضرت عائشہ ؓ کے حجرہ مبارک میں نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ ؓ کی عمر تقریباً ۶۳ سال اور خلافت ۱۱ ہجری سے ۱۳ ہجری تک دو سال تین ماہ دس دن رہی۔

حضرت عمر فاروق ؓ (خلافت ۱۳ ہجری سے ۲۳ ہجری تک):

آپ ؓ کا نام عمر بن خطاب، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق (حق کو باطل سے الگ کرنے والا) ہے۔ ۶ نبوت میں ۳۳ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ آپ سے قبل ۳۹ مرد اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ ؓ کے قبول اسلام پر مسلمانوں نے تکبیر بلند کی۔ آپ ؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ قرآن کریم اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت میں جمع کیا گیا مگر یہ تجویز حضرت عمر فاروق ؓ کی ہی تھی، اور انہیں کے اصرار پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس عمل کے لئے تیار ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت خفیہ طور پر نہیں کی بلکہ علانیہ طور پر کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مرضِ الموفات میں صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ متعین فرمایا۔ بعد میں آپؓ کو امیر المؤمنین کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپؓ کے عہد خلافت میں ملک عراق، فارس، شام اور مصر فتح ہوئے، اسلامی کیلنڈر کا افتتاح ہوا، کوفہ اور بصرہ شہر آباد کئے گئے، ماہِ رمضان میں نماز تراویح کا جماعت کے ساتھ اہتمام شروع ہوا، زکوٰۃ کی آمدنی کے اندراج کی غرض سے بیت المال قائم کیا گیا۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کی صبح آپؓ مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت کر رہے تھے کہ فیروز نامی مجوسی المذہب غلام نے خنجر سے زخمی کیا، چار دنوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ ہجری کو انتقال فرما گئے۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت دس سال، چھ ماہ اور چار دن رہی۔

حضرت عثمان غنیؓ (خلافت ۲۴ ہجری سے ۳۵ ہجری تک):

آپؓ کا نام عثمان بن عفان، کنیت ابو عبداللہ اور ابو عمرو ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں (رقیہؓ اور ام کلثومؓ) یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، اس لئے ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دو بار حبشہ ہجرت کی، پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ نے اللہ کے راستہ میں بہت مال خرچ فرمایا، غزوۂ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے بے شمار مال و اغراض عطا فرمائے۔ جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنے۔ ۳۵ ہجری میں ۸۲ سال کی عمر میں آپؓ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپؓ کی خلافت گیارہ سال، گیارہ ماہ اور تیرہ دن رہی۔ آپ کی خلافت میں تو قبرص ملک فتح ہوا۔ فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت میں بہت زیادہ توسیع ہوئی، جسکی

جبہ سے یہ سوچ کر کہ کہیں قرآن کریم کی قراءت میں اختلاف رونما نہ ہو جائے، آپؓ نے قرآن کریم کو ایک صحیفہ (مصحف عثمانی) میں جمع کر لیا اور اس صحیفہ کے نسخے تمام ریاستوں میں ارسال کئے۔ اس طرح قرآن کریم کے ایک نسخہ (مصحف عثمانی) پر امت مسلمہ متحد ہوگئی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ: (خلافت ۳۵ ہجری سے ۴۰ ہجری تک)

آپؓ کا نام علیؓ بن ابی طالب، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپؓ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپؓ کی تربیت نبی اکرم ﷺ کے گھر پر ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپؓ نے بچپن میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔ تیرہ سال سے کم کی عمر میں اسلام لائے۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے تھے۔ شب ہجرت میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نبی اکرم ﷺ کے بستر پر سوئے۔ وحی لکھنے والے چند صحابہ میں سے ایک آپؓ بھی ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا۔ سوائے اس جنگ کے باقی تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ آپؓ کی شجاعت کے کارنامے بہت مشہور ہیں۔ آپؓ کی علمی حیثیت بڑی مسلّم تھی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت علیؓ ہم سب سے بڑھ کر قاضی ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد صحابۂ کرام نے مشورہ کے بعد آپؓ کو خلیفہ متعین کیا۔ آپؓ نے چند مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں کا دارالخلافت مدینہ منورہ سے عراق کے شہر کوفہ منتقل کر دیا۔ پولس کا شعبہ بنایا۔ ۳۶ ہجری میں جنگ جمل اور ۳۷ ہجری میں جنگ صفین واقع ہوئی۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی صبح کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور کوفہ ہی میں دفن کئے گئے۔

اس طرح آپ کی کل عمر تقریباً ۶۳ سال اور آپ ؓ کی خلافت چار سال اور سات ماہ رہی۔

حضرت حسن بن علی ؓ:

آپ کا نام حسن بن علیؓ ہے، آپ کی والدہ حضرت فاطمہؓ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ رمضان ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد عراق میں مسلمانوں کے اصرار پر حضرت حسنؓ نے بیعت خلافت لی۔ دوسری طرف شام میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ ممکن تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک اور جنگ شروع ہوجائے لیکن حضرت حسنؓ انتہائی زاہد و متقی اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، انہوں نے اپنی دوراندیشی سے مسلمانوں کو قتل عام سے بچا کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح فرمالی اور خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ ۵۰ ہجری میں ۴۷ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

خلافت راشدہ: ۱۱ ہجری سے ۴۱ ہجری تک (632-662)

خلافت بنوامیہ: ۴۱ ہجری سے ۱۳۲ ہجری تک (662-750)

خلافت بنوعباسیہ: 132 ہجری سے 656 ہجری تک (750-1258)۔

خلافت عثمانیہ: ۶۹۸ ہجری سے ۱۳۴۲ ہجری تک (1299-1924)۔

غرضیکہ ۱۹۲۴ میں تقریباً ۱۳۵۰ سال بعد مسلمانوں کی ایک مرکزی خلافت / حکومت ختم ہوگئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ
کی زندگی کے مختصر احوال

محمد بن قاسمؒ طائف میں ثقفی قبیلہ کے ایک مشہور خاندان میں ۷۲ ہجری میں پیدا ہوئے (آپ تابعین میں سے تھے)۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت ۷۵ ہجری میں حجاج بن یوسف کو مشرقی ریاستوں (عراق) کا حاکم اعلیٰ متعین کیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے چچا قاسم کو بصرہ شہر کا والی متعین کیا۔ محمد بن قاسمؒ اپنے والد کے ساتھ طائف سے بصرہ منتقل ہو گئے، اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے خاص فوجیوں کی ٹریننگ کے لئے واسط شہر بسایا۔ اس شہر میں محمد بن قاسمؒ کی فوجی تربیت ہوئی۔ چنانچہ صرف ۱۷ سال کی عمر میں محمد بن قاسمؒ ایک فوجی کمانڈر کی حیثیت سے سامنے آئے۔

محمد بن قاسمؒ سندھ کے متعلق بہت سنا کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی اس علاقہ میں جنگیں ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۰ ہجری میں مکران علاقہ پر فتح حاصل ہوئی۔

۸۸ ہجری میں جزیرہ یاقوت (سیلان) کے بادشاہ نے عربوں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے لئے ایک جہاز عراق کے لئے روانہ کیا، جسمیں یتیم اور بیوہ مسلم عورتیں سوار تھیں۔ جب یہ جہاز سندھ کے بندرگاہ (دیبل) سے گزرا تو سندھ کے کچھ لوگوں نے اس جہاز کو لوٹ لیا۔ حجاج بن یوسف نے سندھ کے بادشاہ سے جہاز اور مسلم عورتوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ مگر اس نے رہائی کرنے سے انکار کر دیا۔ حجاج بن یوسف نے دو مرتبہ لشکر کشائی کی مگر ناکامی ہوئی۔ جب حجاج بن یوسف کو یقین ہو گیا کہ مسلم عورتیں اور فوج کے جوان دیبل کی جیلوں میں بند ہیں، اور سندھ کا بادشاہ عربوں سے دشمنی کی وجہ سے ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا، تو حجاج

بن یوسف نے سندھ کے تمام علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ۹۰ ہجری میں ایک بڑے لشکر کو محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں سندھ روانہ کیا۔ محمد بن قاسمؒ نے صرف ۲ سال میں اللہ کے فضل وکرم سے ۹۲ ہجری تک سندھ کے بے شمار علاقے فتح کر لئے۔ ۹۲ ہجری میں سندھ کے راجہ داہر کی قیادت میں سندھی فوج سے فیصلہ کن جنگ ہوئی، جسمیں سندھ کا راجہ مارا گیا، اور محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ غرض صرف ۲۰ سال کی عمر میں محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ بن گئے۔ ۹۵ ہجری تک سندھ کے دیگر علاقے حتیٰ کہ پنجاب کے بعض علاقے محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں مسلمانوں نے فتح کر لئے۔

محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر فتح حاصل کرنے کے بعد جونہی ہند (موجودہ ہندوستان) کی حدود میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، نئے بادشاہ سلیمان بن عبدالملک کا حکم پہونچا کہ فوراً عراق واپس آجاؤ۔ ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور محمد بن قاسمؒ کے خاندان کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے۔ محمد بن قاسمؒ کو یقین تھا کہ میرا عراق واپس جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ سندھ کے لوگوں اور فوج کے ذمہ داروں نے محمد بن قاسمؒ کو واپس جانے سے منع کیا۔ لیکن محمد بن قاسمؒ نے خلیفہ کے حکم کی نافرمانی کرنے سے انکار کیا اور عراق واپس گئے۔ سلیمان بن عبدالملک نے بغض وعناد میں محمد بن قاسمؒ کو جیل میں بند کردیا۔ مختلف طرح سے تکلیفیں دیں۔

غرض ۹۵ ہجری میں فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ صرف ۲۳ سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔



شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

آج امت مسلمہ خاص کر برصغیر میں رہنے والے مسلمان مختلف جماعتوں، گروہوں اور تنظیموں میں منقسم ہوگئے ہیں۔﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (سورۃ الروم ۳۲)۔ ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے باطل پر ہیں۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف فی نفسہ برا نہیں ہے بشرطیکہ اختلاف کا بنیادی مقصد حقیقت کا اظہار ہو اور اس اختلاف سے کسی کی دل آزاری اور اہانت مطلوب ومقصود نہ ہو۔ اختلاف تو دورِ نبوت میں بھی تھا۔ بعض امور میں صحابۂ کرام کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور آپ ﷺ نے اپنی رائے کے بجائے صحابۂ کرام کے مشورہ پر عمل کیا، مثلاً غزوۂ احد کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کے نقطۂ نظر پر عمل کرکے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کفار مکہ کا مقابلہ کیا۔

غزوۂ احزاب سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو فوراً بنو قریظہ روانہ فرمایا اور کہا کہ عصر کی نماز وہاں جاکر پڑھو۔ راستہ میں جب نمازِ عصر کا وقت ختم ہونے لگا تو صحابۂ کرام میں عصر کی نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ہمیں بنو قریظہ ہی میں جاکر نمازِ عصر پڑھنی چاہئے خواہ عصر کی نماز قضا ہوجائے، جبکہ دوسری جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ ہم عصر کی نماز کے وقت میں ہی بنو قریظہ پہونچ جائیں گے، لیکن اب چونکہ عصر کے وقت میں بنو قریظہ کی بستی میں پہونچ کر نمازِ عصر پڑھنا ممکن نہیں ہے، لہذا ہمیں عصر کی نماز ابھی پڑھ لینی چاہئے۔ اس طرح صحابۂ کرام دو جماعت میں منقسم ہوگئے، کچھ حضرات نے نمازِ عصر وہیں پڑھی، جبکہ دوسری جماعت نے بنو قریظہ کی بستی میں جاکر قضا پڑھی۔ جب صبح نبی اکرم ﷺ

بنو قریظہ پہ سونچے اور اس واقعہ سے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ ﷺ نے کسی جماعت پر بھی کوئی تنقید نہیں کی اور نہ ہی اس اہم موقع پر آپ ﷺ نے کوئی ہدایت جاری کی، جس سے معلوم ہوا کہ احکام میں اختلاف تو کل قیامت تک جاری رہے گا اور اس نوعیت کا اختلاف مذموم نہیں ہے۔ البتہ عقائد اور اصول میں اختلاف کرنا مذموم ہے۔

علامہ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ﴿الصواعق المرسلۃ﴾ میں دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام کے درمیان بھی متعدد مسائل میں اختلاف تھا، جن میں سے ایک مسئلہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے تین طلاق کے واقع ہونے کے بارے میں ہے۔ یہ اختلاف محض اظہار حق یا اتباعِ حق کے لئے تھا۔

لیکن! آج ہم اختلاف کے نام پر بغض وعناد کر رہے ہیں، اپنے مکتب فکر کو صحیح اور دیگر مکاتب فکر کو غلط قرار دینے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں حالانکہ اسلام میں اختلاف کی گنجائش تو ہے مگر بغض وعناد اور لڑائی جھگڑا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (سورۃ الانفال ۴۶) آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

آج غیر مسلم قومیں خاص کر یہود ونصاریٰ کی تمام مادی طاقتیں مسلمانوں کو زیر کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ دنیاوی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کر رہی ہیں، جس سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ لہذا ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ صحابہ اور اکابرین کی سیرت کی روشنی میں اپنے اختلاف کو صرف اظہار حق یا اتباعِ حق تک محدود رکھیں۔ اپنا موقف ضرور پیش کریں، لیکن دوسرے کی رائے کی صرف اس بنیاد پر مخالفت نہ کریں کہ اس کا تعلق دوسرے مکتب فکر سے ہے۔ اب تو دیگر آسمانی مذاہب کے

ساتھ بھی ہم آہنگی کی بات شروع ہونے لگی ہے۔ لہذا ہمیں امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنے کے بجائے اس میں پیوندکاری کرنی چاہئے۔ اگر کسی عالم کے قول میں کچھ نقص ہے تو اس کی زندگی کا بیشتر حصہ سامنے رکھ کر اس کی عبارت میں توجیہ وتاویل کرنی چاہئے، نہ کہ اس پر کفر وشرک کے فتوے لگائے جائیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف کی صورت میں دیگر مکاتب فکر کی رائے کا احترام کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنا موقف ضرور پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسرے مکتب فکر کی رائے کی تذلیل اور رسوائی ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہونا چاہئے۔

برصغیر میں مختلف مکاتب فکر کے آپسی اختلافات کا شکار حدیث کی بے لوث خدمت کرنے والی شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی بھی ہے۔فضائل سے متعلق ان کی تحریر کردہ ۹ کتابوں کے مجموعہ (فضائل اعمال) کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کی علم حدیث کی عظیم خدمات کو ہی پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ان ۹ کتابوں کے مجموعہ پر مختلف اعتراضات کئے گئے، جن کے متعدد جوابات شائع ہوئے اور یہ سلسلہ برابر جاری وساری ہے۔ اس سلسلہ کی اہم کڑی حضرت مولانا لطیف الرحمن صاحب قاسمی کی عربی زبان میں تحریر کردہ وہ جامع کتاب (تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل الاعمال للشیخ محمد زکریاؒ) ہے جو بیروت (لبنان) اور دبئی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور ۶۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندوپاک میں اس کے دو تین اختصار کے ساتھ شائع ہوچکے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ان ۹ کتابوں کے مجموعہ پر اعتراضات کا خلاصہ دو امور پر مشتمل ہے۔ ۱) کتاب میں ضعیف احادیث بھی تحریر کی گئی ہیں۔ ۲) بزرگوں کے واقعات کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں۔

مسئلہ کی وضاحت سے قبل چند تاریخی حقائق کو سمجھیں:

☆ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حدیث لکھنے کی عام اجازت نہیں تھی تاکہ قرآن و حدیث میں اختلاط نہ پیدا ہو جائے۔

☆ خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی حدیث لکھنے کا نظم صرف انفرادی طور پر اور وہ بھی محدود پیمانے پر تھا۔

☆ ۲۰۰ ہجری سے ۳۰۰ ہجری کے درمیان احادیث لکھنے کا خاص اہتمام ہوا، چنانچہ حدیث کی مشہور و معروف کتابیں: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ (جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے) اسی دور میں تحریر کی گئی ہیں، جبکہ موطا امام مالک ۱۶۰ ہجری کے قریب تحریر ہوئی۔ ان احادیث کی کتابوں کی تحریر سے قبل ہی ۱۵۰ ہجری میں امام ابوحنیفہؒ (شیخ نعمان بن ثابت) کی وفات ہو چکی تھی۔ امام محمدؒ کی روایت سے امام ابوحنیفہؒ کی حدیث کی کتاب (کتاب الآثار) ان احادیث کی کتابوں کی تحریر سے قبل مرتب ہو گئی تھی۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے فرمان یا عمل کو جو حدیث ذکر کرنے کا بنیادی مقصد ہوتا ہے، متن حدیث کہا جاتا ہے۔

☆ جن واسطوں سے یہ حدیث محدث تک پہنچتی ہے اس کو سند حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتابوں میں محدث اور صحابی کے درمیان عموماً دو یا تین یا چار واسطے ہیں، کہیں کہیں اس سے زیادہ بھی ہیں۔

☆ احادیث کی کتابیں تحریر ہونے کے بعد حدیث بیان کرنے والے راویوں پر باقاعدہ بحث ہوئی، جس کو اسماء الرجال کی بحث کہا جاتا ہے۔

احکام شرعیہ میں علماء وفقہاء کے اختلاف کی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدید اختلاف

محدثین کا راویوں کوضعیف اور ثقہ قرار دینے میں ہے۔یعنی ایک حدیث ایک محدث کے نقطۂ نظر میں ضعیف اور دیگر محدثین کی رائے میں صحیح ہو سکتی ہے۔

☆ سند میں اگر کوئی راوی غیر معروف ثابت ہو یعنی یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، یا اس نے کسی ایک موقع پر جھوٹ بولا ہے، یا سند میں انقطاع ہے۔۔۔۔۔ تو اس بنیاد پر محدثین وفقہاء احتیاط کے طور پر اس راوی کی حدیث کو عقائد اور احکام میں قبول نہیں کرتے بلکہ جو عقائد یا احکام صحیح مستند احادیث سے ثابت ہوئے ہیں ان کے فضائل کے لئے قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کے علاوہ حدیث کی مشہور ومعروف تمام ہی کتابوں میں ضعیف احادیث کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، اور امت مسلمہ ان کتابوں کو زمانہ قدیم سے قبولیت کا شرف دیئے ہوئے ہے، حتی کہ بخاری کی تعالیق اور مسلم کی شواہد میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں۔ امام بخاریؒ نے حدیث کی متعدد کتابیں تحریر فرمائیں، بخاری شریف کے علاوہ ان کی بھی تمام کتابوں میں ضعیف احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

(نوٹ): اگر ضعیف احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں تو سوال یہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں انہیں کیوں جمع کیا؟ اور ان کے لئے طویل سفر کیوں کئے؟ نیز یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اگر ضعیف حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا تو سیرت نبوی اور تاریخ اسلام کا ایک بڑا حصہ دفن کرنا پڑے گا۔ زمانہ قدیم سے جمہور محدثین کا اصول یہی ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے اور انہوں نے ضعیف حدیث کو صحیح حدیث کی اقسام کے ضمن میں ہی شمار کیا ہے۔

مسلم شریف کی سب سے زیادہ مقبول شرح لکھنے والے امام نوویؒ (مؤلف ریاض الصالحین) فرماتے ہیں: محدثین، فقہاء، اور ان کے علاوہ جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا فضائل اور ترغیب وترہیب میں جائز اور مستحب ہے۔ (الاذکار، ص ۷-۸)

اسی اصول کو دیگر علماء ومحدثین نے تحریر فرمایا ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

شیخ ملا علی قاریؒ (موضوعات کبیر ص ۵، شرح الفقاریہ ج ۱ ص ۹، فتح باب العنایا ۴۹/۱)
شیخ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ (مستدرک حاکم ج ۱، ص ۴۹۰)
شیخ ابن حجر الہیثمیؒ (فتح المبین، ص ۳۲)
شیخ ابو محمد بن قدامہؒ (المغنی ۱۰۴۴/۱)
شیخ علامہ الشوکانیؒ (نیل الاوطار ۳ / ۶۸)
شیخ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (شرح علل الترمذی ۷۲-۷۴/۱)
شیخ علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ (فتاویٰ ج ۱ ص ۳۹)
شیخ نواب صدیق حسن خانؒ (دلیل الطالب علی المطالب ص ۸۸۹)

جہاں تک بزرگوں کے واقعات بیان کرنے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف قرآن وحدیث سے ثابت شدہ حکم کی تائید کے لئے کسی بزرگ کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ بزرگوں کے واقعات تحریر کرنے کا رواج ہر وقت اور ہر مکتب فکر میں موجود ہے، جیسا کہ مولانا لطیف الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنی کتاب (تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل الاعمال للشیخ محمد زکریاؒ) میں دیگر مکاتب فکر کے متعدد علماء کی کتابوں کے نام حوالوں کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔ امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ اس بات پر متفق ہے کہ کبھی کبھی بزرگوں کے ذریعہ ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں جن کا عام آدمی سے صدور مشکل ہوتا ہے۔ نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ کتاب میں بعض واقعات کا ذکر غیر مناسب ہے یا چند موضوع احادیث ذکر کردی گئی ہیں، اگرچہ وہ احادیث کی مشہور ومعروف کتابوں سے ہی لی گئی ہیں، تو صرف اس بنیاد پر ان کی حدیث کی خدمات کو نظر انداز

کرنا ان کی عظیم شخصیت کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے چالیس سال سے زیادہ حدیث کی کتابیں پڑھائیں، کوئی تنخواہ نہیں لی۔ سو سے زیادہ عربی و اردو زبان میں کتابیں تحریر فرمائیں، ایک کتاب کے حقوق بھی اپنے لئے محفوظ نہیں رکھے۔ ۱۸ جلدوں پر مشتمل ﴿اوجز المسالک الی موطا امام مالک﴾ کتاب عربی زبان میں تحریر فرمائی، جس سے لاکھوں عرب وعجم نے استفادہ کیا اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت:

شیخ الحدیثؒ ۱۰ رمضان ۱۳۱۵ھ (۱۲ فروری ۱۸۹۸) کو ضلع مظفرنگر کے قصبہ کاندھلہ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شیخ محمد یحییٰؒ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں استاذ حدیث تھے۔ آپ کے دادا شیخ محمد اسماعیلؒ بھی بڑے جید عالم تھے۔ آپ کے چچا شیخ محمد الیاسؒ ہیں جو فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ساتھ تبلیغی جماعت کے مؤسس بھی ہیں، جنہوں نے امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے مخلصانہ کوشش کرتے ہوئے ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی، جسکی ایثار وقربانی کی بظاہر کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی، اور یہ جماعت ایک مختصر عرصہ میں دنیا کے چپہ چپہ میں یہاں تک کہ عربوں میں بھی پھیل چکی ہے۔ ۶ خلیجی ممالک، ۲۲ عرب ممالک اور ۵۷ اسلامی ممالک مل کر بھی آج تک کوئی ایسی منظم جماعت نہیں تیار کر سکے، جس کی ایک آواز پر بغیر کسی اشتہاری وسیلہ کے لاکھوں کا مجمع پلک جھپکتے ہی جمع ہو جائے۔۔۔ عمومی طور پر اب ہماری زندگی دن بدن منظم ہوتی جارہی ہے، چنانچہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی حتی کہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں بھی داخلہ کا ایک معین وقت، داخلہ کے لئے ٹیسٹ اور انٹرویو، کلاسوں کا نظم ونسق، پھر امتحانات اور ۳ یا ۵ یا ۸ سالہ کورس اور ہر سال کے لئے معین کتابیں پڑھنے پڑھانے کی تحدید کردی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح اپنی اور بھائیوں کی اصلاح کے

لئے کوئی وقت متعین نہیں ہونا چاہئے، لیکن تعلیم وملازمت وکاروبار غرضیکہ ہماری زندگیوں کے منظم شیڈیول کو سامنے رکھتے ہوئے اکابرین نے اس محنت کے لئے بھی وقت کی ایک ترتیب دی ہے۔۔۔ انفرادی طور پر جب ہمارے اندر کمیاں موجود ہیں تو اجتماعی طور پر کام کرنے کی صورت میں کمیاں ختم نہیں ہو جائیں گی۔ موجودہ دور کی کوئی بھی اسلامی تنظیم تنقید سے خالی نہیں ہے۔۔۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیخ محمد الیاسؒ کی فکر سے وجود میں آنی والی اپنی اور بھائیوں کی اصلاح کی مذکورہ کوشش مجموعی اعتبار سے بے شمار خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے چچازاد بھائی شیخ محمد یوسف بن شیخ محمد الیاسؒ تھے جنہوں نے عربی زبان میں تین جلدوں پر مشتمل حیاۃ الصحابہ تحریر فرمائی، جس کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے، جو عرب وعجم میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے اور ہورہے ہیں، جن سے لاکھوں کی تعداد نے استفادہ کیا اور کررہے ہیں۔

اس خاندان نے عربی واردو میں سینکڑوں کتابیں تحریر کیں لیکن خلوص وللّٰہیت کی واضح علامت یہ ہے کہ ایک کتاب کے حقوق بھی اپنے لئے محفوظ نہیں کئے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اجرعظیم کی امید کے ساتھ اعلان کردیا کہ جو چاہے شائع کرے، فروخت کرے، تقسیم کرے، چنانچہ دنیا کے بے شمار ناشرین خاص کر لبنان کے متعدد ناشرین اس خاندان کی عربی کتابیں بڑی مقدار میں شائع کررہے ہیں اور عربوں میں ان کی کتابیں بہت مقبول ہیں۔ سعودی عرب کے تقریباً تمام بڑے مکتبوں میں ان کی کتابیں (مثلاً اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک اور حیاۃ الصحابہ) دستیاب ہیں۔

۱۲ سال کی عمر میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور برصغیر کا سب سے بڑا مدرسہ شمار کیا

جاتا ہے جس کی بنیاد دارالعلوم دیو بند کے ۶ ماہ بعد رکھی گئی تھی۔ شیخ الحدیثؒ کے حدیث کے اہم اساتذہ میں شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ، آپ کے والد شیخ محمد یحیؒ اور آپ کے چچا شیخ محمد الیاسؒ تھے۔

والد کے انتقال کے بعد صرف ۲۰ سال کی عمر میں (۱۳۳۵ھ میں) مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں استاذ ہو گئے۔ ۱۳۴۱ھ میں اپنے شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ کے اصرار پر صرف ۲۶ سال کی عمر میں بخاری شریف کا درس دینا شروع فرمادیا۔ ۱۳۴۵ھ میں نبی اکرم ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں ایک سال قیام فرمایا اور مدرسۃ العلوم الشرعیہ (مدینہ منورہ) میں حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد پڑھائی۔ یہ مدرسہ آج بھی موجود ہے، جس کے ذمہ دار سید حبیب مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ہی اپنی مشہور کتاب (اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک) کی تالیف شروع فرمادی تھی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۹ سال تھی۔ ۱۳۴۶ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم میں حدیث کی کتابیں خاص کر بخاری شریف اور ابوداؤد پڑھانے لگے اور یہ سلسلہ ۱۳۸۸ھ یعنی ۷۳ سال کی عمر تک جاری رہا۔ غرضیکہ آپ نے ۵۰ سال سے زیادہ حدیث پڑھانے اور لکھنے میں گزارے اور اس طرح ہزاروں طلبہ نے آپ سے حدیث پڑھی جو دین اسلام کی خدمت کے لئے دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔

شیخ الحدیثؒ نے حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد سفر کئے۔ ۱۳۴۵ھ میں آپ اپنے استاذ شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مقیم تھے کہ آپ کے استاذ محترم کا انتقال ہو گیا اور وہ جنت البقیع میں اہل بیت کے قریب دفن کئے گئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی بھی خواہش تھی کہ مدینہ منورہ میں ہی مولائے حقیقی سے جا ملوں، چنانچہ بتاریخ یکم شعبان ۱۴۰۲ ہجری (24 May 1982) مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال

ہوا۔ ایک عظیم جمِ غفیر کی موجودگی میں مدینہ منورہ کے مشہور و معروف قبرستان البقیع کے اس خطہ میں دفن کئے گئے جہاں اب تدفین کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ مسجدِ نبوی کے تقریباً تمام ائمہ شیخ الحدیثؒ کے جنازہ میں شریک تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بھتیجے سید حبیب مدنیؒ (سابق رئیس الاوقاف، مدینہ منورہ) نے اپنی نگرانی میں شیخ الحدیثؒ کی قبراُن کے استاذ شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ کے جوار میں بنوائی، اس طرح دونوں شیوخ اہلِ بیت کے قریب ہی مدفون ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور مجاہدِ آزادی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے چند مرحلوں میں تقریباً ۱۵ سال مسجدِ نبوی میں علمِ نبوت کا درس دیا۔ ان کے بھتیجے سید حبیب مدنیؒ ایک طویل عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر کی سرپرستی میں مدینہ منورہ کے انتظامی امور دیکھتے رہے، غرضیکہ وہ عرصۂ دراز تک مساعد گورنر تھے۔ سعودی عرب میں کوئی بھی ہندنژاد سعودی اتنے بڑے عہدہ پر فائز نہیں ہوا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہے (یعنی یہاں آکر موت تک قیام کرسکتا ہے) اسے ضرور مدینہ میں مرنا چاہئے کیونکہ میں اس شخص کی شفاعت کروں گا جو مدینہ منورہ میں مرے گا۔ (ترمذی)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو آخری عمر میں (۱۳۹۷ھ میں) سعودی شہریت (Saudi Nationality) بھی مل گئی تھی اور انہوں نے سعودی پاسپورٹ سے ہی ہندوستان کا آخری سفر اور اس سے قبل ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تھا۔ شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ شیخ عبدالحفیظ عبدالحق مکی صاحب بھی سعودی ہیں جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ۱۹۵۲ میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے، مکہ مکرمہ میں مکتبہ امدادیہ کے مالک ہیں۔ اس مکتبہ سے ہندوپاک کے علماء کی عربی کتابیں سعودی حکومت کی اجازت کے بعد بڑی مقدار میں شائع ہوتی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی علمی خدمات:

شیخ الحدیثؒ نے عربی اور اردو میں ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے بعض اہم کتابوں کا مختصر تعارف عرض ہے:

اوجز المسالک الی موطا امام مالک: یہ کتاب عربی زبان میں ہے جو حدیث کی مشہور و معروف کتاب مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس کتاب کی ۱۸ جلدیں ہیں جو آپ نے درس حدیث اور دیگر مصروفیات کے ساتھ ۱۳۷۵ھ میں ۳۰ سال کی جدوجہد کے بعد تحریر فرمائی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اس کتاب کی تالیف شروع فرمائی تھی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۹ سال تھی۔ دنیا کے تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ لبنان کے متعدد ناشرین اس کتاب کے لاکھوں کی تعداد میں نسخے شائع کر رہے ہیں۔ سعودی عرب کی تقریباً تمام ہی لائبریریوں اور مکتبوں کی یہ کتاب زینت بنی ہوئی ہے، مالکی حضرات اس کتاب کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مالکی علماء نے فرمایا ہے کہ ہمیں بعض فروعی مسائل سے واقفیت صرف اسی کتاب سے ہوئی ہے۔ بعض ناشرین نے اس کتاب کو ۱۵ جلدوں میں شائع کیا ہے۔

الابواب والتراجم للبخاری: اس کتاب میں بخاری شریف کے ابواب کی وضاحت کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں احادیث کے مجموعہ کے عنوان پر بحث ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے جسے ترجمۃ الابواب کہتے ہیں۔ شیخ زکریاؒ نے اس کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جیسے علماء کے ذریعہ بخاری کے ابواب کے بارے میں کی گئی وضاحتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیقی رائے پیش کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۶ جلدیں ہیں۔

لامع الدراری علی جامع صحیح البخاری : یہ مجموعہ دراصل شیخ رشید احمد گنگوہیؒ کا درسِ بخاری ہے جو شیخ الحدیثؒ کے والد شیخ محمد یحییٰؒ نے اردو زبان میں قلم بند کیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنی طرف سے کچھ حذف واضافات کر کے کتاب کی تعلیق اور حواشی تحریر فرمائے۔ اس طرح شیخ الحدیثؒ کی ۱۴ سال کی انتہائی کوشش اور محنت کی وجہ سے یہ عظیم کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کتاب پر شیخ الحدیثؒ کا مقدمہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۱۰ جلدیں ہیں۔

بذل المجهود فی حل ابی داؤد: یہ کتاب شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ کی تحریر کردہ ہے لیکن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی چند سالوں کی کوشش کے بعد ۱۳۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شیخ الحدیثؒ نے اپنے استاذ سے زیادہ وقت لگا کر اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی تقریباً ۲۰ جلدیں ہیں۔

الکوکب الدری علی جامع الترمذی : یہ مجموعہ دراصل شیخ رشید احمد گنگوہیؒ کا اردو زبان میں درس ترمذی شریف ہے جو شیخ الحدیثؒ نے عربی زبان میں ترجمہ کر کے اپنی تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۴ جلدیں ہیں۔

جزء حجة الوداع وعمرات النبی ﷺ: اس کتاب میں شیخ الحدیثؒ نے حضور اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ سے متعلق تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ حج اور عمرہ کے مختلف مسائل اور مراحل، نیز ان جگہوں کے موجودہ نام جہاں حضور اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا یا جہاں سے گزرے تھے، ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی: امام ترمذیؒ کی مشہور تالیف ﴿الشمائل المحمدية﴾ کا تفصیلی جائزہ اردو زبان میں تحریر کیا ہے، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

شیخ الحدیث کی چند دیگر عربی کتابیں:

وجوب اعفاء اللحیۃ، اصول الحدیث علی مذہب الحنفیۃ، اولیات القیامۃ، تبویب احکام القرآن للجصاص، تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبۃ، تبویب مشکل الآثار للطحاوی، تقریر المشکاۃ مع تعلیقاتہ، تقریر النسائی، تلخیص البذل، جامع الروایات والاجزاء، جزء اختلاف الصلاۃ، جزء الاعمال بالنیات، جزء افضل الاعمال، جزء امراء المدینۃ، جزء انکحتہ ﷺ، جزء تخریج حدیث عائشۃ فی قصۃ بریرۃ، جزء الجہاد، جزء رفع الیدین، جزء طرق المدینۃ، جزء المبہمات فی الاسانید والروایات، جزء ما قال المحدثون فی الامام الاعظم، جزء مکفرات الذنوب، جزء ملتقط المرقاۃ، جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ، حواشی علی الہدایۃ، شرح سلم العلوم، الوقائع والدھور (تین جلدیں، پہلی جلد نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے متعلق، دوسری جلد خلفاء راشدین کے متعلق اور تیسری جلد دیگر حکمرانوں کی تاریخ کے متعلق)۔

شیخ الحدیث کی چند اردو کتابیں:

الاعتدال فی مراتب الرجال، آپ بیتی (۷ جلدیں)، اسباب اختلاف الائمہ، التاریخ الکبیر، سیرت صدیق ؓ، نظام مظاہر العلوم (دستور)، تاریخ مظاہر العلوم، شرح الالفیۃ (تین جلدیں)، اکابر کا تقویٰ، اکابر کا رمضان، اکابر علماء دیوبند، شریعت و طریقت کا تلازم (اس کا عربی زبان میں ترجمہ مصر سے شائع ہو چکا ہے)، موت کی یاد، فضائل زبان عربی، فضائل تجارت، اور فضائل پر مشتمل ۹ کتابوں کا مجموعہ فضائل اعمال۔

چند سطریں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت کے متعلق تحریر کی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تفصیلات کے لئے دیگر کتابوں کے ساتھ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ﴿تذکرہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ﴾ کا مطالعہ فرمائیں۔ میرے ہر ہر لفظ سے آپ کا متفق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، البتہ فضائل اعمال کو سامنے رکھ کر شیخ الحدیثؒ کی شخصیت پر کچھ کہنے یا لکھنے سے قبل ان کی دیگر تصانیف خاص کر ۱۸ جلدوں پر مشتمل مشہور و معروف عربی زبان میں تحریر کردہ کتاب ﴿اوجز المسالک الی موطا امام مالک﴾ کا مطالعہ کرلیں۔ عربی سے واقفیت نہ ہونے کی صورت میں دنیا کے کسی بھی خطہ کے معروف عالم خاص کر عرب علماء سے اس کتاب کے متعلق معلومات حاصل کرلیں۔

شیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ

حال ہی میں شیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے تعلق محترم محمد انعام الحق قاسمی صاحب اور محترم عباس علی صدیقی صاحب کے تاثرات پڑھنے کو ملے۔ کتاب تقویۃ الایمان پر کچھ لکھنے سے قبل الشیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ کا مختصر تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

نہ صرف برصغیر (ہند، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان) میں بلکہ پورے عالم اسلام میں الشیخ شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت انتہائی مسلّم اور قابل قدر رہے۔ برصغیر میں حدیث پڑھنے اور پڑھانے کی سند محدثین کرام اور پھر حضور اکرم ﷺ تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کے واسطے سے ہی ہو کر جاتی ہے۔ برصغیر کا ہر مکتب فکر اپنا تعلق الشیخ شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت سے جوڑ کر اپنے حق پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کی اولاد نے قرآن و حدیث کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ (1779 - 1831) نے بھی اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ، احیاء اسلام اور قرآن و حدیث کی خدمت میں صرف کی۔ انہوں نے تقریباً ۱۰ کتابیں تحریر فرمائیں۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے نہ صرف قلمی جہاد کیا بلکہ عملی جہاد میں بھی شرکت کی چنانچہ ۱۸۳۱ میں بالاخر بالاکوٹ کے مقام پر شہادت حاصل کی۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے زمانے میں اس علاقہ میں شرک اور بدعات کافی رائج ہو گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن و حدیث کی روشنی میں شرک اور بدعات کی تردید اور توحید و سنت کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کیا۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر انہوں نے 1826 میں کتاب (تقویۃ الایمان) لکھی۔ یہ کتاب آج تک کتنی مرتبہ شائع ہو چکی ہے، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، غرض لاکھوں لوگوں نے اس کتاب سے فیضیاب ہو کر اپنی زندگی کا رخ سیدھا کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی اس کتاب میں قرآن و حدیث کی

روشنی میں شرک اور بدعات کی تردید کی ہے۔ جس پر بعض حضرات نے غلط فیصلہ لے کر اس شخص کو کافر کہہ دیا کہ جس نے پوری زندگی قرآن وحدیث کے مطابق گزاری، لاکھوں لوگوں نے اس کے علم سے مستفید ہوکر اپنی آخرت کی زندگی کی تیاری کی، جس نے اللہ تعالٰی کی رضا کے حصول کے لئے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کردیا۔

میں نے کتاب کا مطالعہ کیا ہے، مجھے کہیں کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس کی بنیاد پر کسی عالم دین کو صرف بغض وعناد کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے۔ میرے عزیز دوستو! اسلام اس لئے نہیں آیا کہ چھوٹی چھوٹی بات پر مسلمانوں کو بھی دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے بلکہ اسلام کا بنیادی واہم مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے اور کلمہ کے تقاضوں پر عمل کرکے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ جائے۔ کسی انتقال شدہ معین شخص کو کافر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسکے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کا فیصلہ صادر فرمادیا۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کو بھی یاد رکھیں: اگر کوئی شخص کسی شخص کے لئے کہے اے کافر! تو یقیناً کسی ایک کو ضرور پہونچے گا، یا تو وہ واقعی کافر ہوگا ورنہ کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ (بخاری، مسلم، موطا مالک، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

اگر ہمیں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا علم ہوتا ہے تو کتنی خوشی ہوتی ہے، یقیناً خوشی کی بات ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ گیا اگر ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوجائے۔ میرے عزیز دوستو! کسی شخص کو کافر قرار دینے میں ہمیں کبھی بھی عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے، اور نہ ہی اس کو فخریہ طور پر بیان کرنا چاہئے۔

عباس علی صدیقی نے یہ تحریر کیا ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام بڑے بھائی کی طرح کرنا چاہئے، اور اس کی بنا پر کفر کا فتوی لگایا گیا ہے۔

کتاب کی مکمل عبارت یوں ہے: تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے۔ معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں، مگر حق تعالی نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے، ہمیں ان کی فرمانبرداری کا حکم ہوا کیونکہ ہم چھوٹے ہیں، لہذا ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرو اور انہیں اِلہ (معبود) نہ بناؤ۔۔۔

(صفحہ ۱۳۴ ۔ ۱۳۵) شاہ اسماعیل شہید ؒ کا نبی اکرم ﷺ کو بڑے بھائی سے مشابہت دینے کا مقصد واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام ضروری ہے، ان کا زیادہ سے زیادہ احترام کیا جائے، لیکن اس نوعیت کا احترام نہیں کیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کو معبود بنا دیا جائے، جو کہ بالکل غلط ہے۔ اس عبارت کی بناء پر کسی شخص کو کیسے کافر کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا ہے: فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (سورۃ البقرہ ۲۰۰) جب تم اپنے حج کے ارکان سے فارغ ہو جاؤ تو تم اللہ تعالی کا ذکر کرو جیسا کہ باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ باپ دادا کے ذکر کرنے سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے ذکر کرنے کو باپ دادا کے ذکر کرنے سے مشابہت دی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالی باپ دادا بن گیا۔ بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کا کثرت سے ذکر کریں۔

میری تمام حضرات سے خصوصی درخواست ہے کہ کسی معین شخص کو کافر کہنے سے بالکل باز رہیں جبکہ وہ اللہ کی وحدانیت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہو اور رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بھی مانتا ہو مزید برآں قرآن وحدیث پر عمل پیرا بھی ہو۔ لہذا آپ اگر کسی شخص کی تحریر سے متفق نہیں ہیں تو اس کی تردید کر سکتے ہیں لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ

(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)

تقریباً ۱۵۰ سال سے امت مسلمہ کی دلوں کی دھڑکن بن کر دارالعلوم دیوبند طالبان علوم نبوت کوعلم کی دولت کے ساتھ عمل صالح اور اخلاق فاضلہ کی پاکیزہ تربیت دینے میں مصروف ہے۔ اس کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے، کسی حکومت کی امداد یا کسی مستقل ذریعہ آمدنی کے بغیر محض اللہ عز وجل کے فضل وکرم اور عام مسلمانوں کے عطیات سے یہ ادارہ اپنی بیش بہا خدمات کی طرف رواں دواں ہے۔

اس ادارہ کے حالیہ مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ شہر بجنور کے ایک امیر گھرانے میں تقریباً ۱۰۰ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب شہر بجنور کے رئیس زمیندار تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۳۲ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ نے حضرت مولانا مفتی سہول صاحب سے افتاء کی تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد اپنے محلہ کی مسجد میں تقریباً ۲۵ سال امامت کے فرائض انجام دیے، لیکن اس خدمت کے لئے نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی معاوضہ لیا بلکہ اس دوران مسجد کی مختلف مالی ضروریات خود ہی پوری کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے جب بھی کبھی دارالعلوم دیوبند کا سفر کرتے اپنے تمام اخراجات خود ہی برداشت کرتے حتیٰ کہ اگر دارالعلوم کی کوئی چائے بھی پیتے تو اس کی قیمت دارالعلوم میں جمع فرماتے۔ اجلاس صد سالہ کے بعد ۱۹۸۱ء میں معاون مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں مہتمم بنے اور جب سے تا وفات (یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ۔ ۸ دسمبر ۲۰۱۰ء) اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء کے انتہائی نازک حالات میں مولانا نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام اور قیادت کی

ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور تدبر سے اس عظیم درسگاہ کو منظم رکھنے میں مسلسل ۳۰ سال بے مثال خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے تیس سالہ اہتمام کے دوران کوئی تنخواہ نہیں لی بلکہ ایک چھوٹا سا کمرہ جو آپ کو رہائش کے لئے دیا گیا تھا اس کا بھی پابندی کے ساتھ کرایہ ادا کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی چائے وغیرہ کا مکمل خرچہ اپنی جیب سے ادا کرتے تھے، اگرچہ وہ دفتری اوقات میں ہی کیوں نہ آئیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی جائداد کا ایک حصہ فروخت کرکے دارالعلوم پر خرچ کیا۔ اس کے علاوہ اکثر وبیشتر تعاون کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم کبھی بھی اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے، البتہ جو بات طے ہوجاتی اس کے نفاذ پر سختی سے عمل پیرا ہوتے اور ذمہ داروں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیا کرتے تھے۔ انتہائی صبر وتحمل کے ساتھ سب کو ساتھ لینے کے جذبہ سے کام کرتے تھے۔ تیس سال قبل اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنے کے وقت دارالعلوم کا سالانہ بجٹ تقریباً پچاس لاکھ روپے تھا، اب چونکہ طلبہ کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے، نیز تعمیری کاموں کا سلسلہ برابر جاری ہے، اس لئے اب سالانہ بجٹ تقریباً ۱۴ کروڑ روپئے ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے تحفظ اور اسے ایک عظیم مقام پر پہونچانے میں جو کردار حضرت مولانا مرحومؒ نے ادا کیا وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ حضرت مولانا مرحوم صاحب فضل اور صاحب تقویٰ عالم دین تھے، تواضع وانکساری کے حامل تھے، شرافت اور بزرگی کے مجسم پیکر تھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ تمام دینی مدارس خاص کر دارالعلوم دیوبند کی تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے، آمین، ثم آمین۔ نیز تمام منتسبین اور بہی خواہان دارالعلوم سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

مجاھد آزادی مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ

اپنے حقیقی دادا شیخ الحدیث و مجاہد آزادی حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ کی زندگی کے مختصر احوال تحریر کر رہا ہوں :

☆ ۱۸۹۹ء میں شہر سنبھل کے محلہ دیپا سرائے میں ترک برادری کے سربرآوردہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ☆ ابتدائی تعلیم سنبھل اور بہاولپور میں ہوئی۔ ☆ ۱۹۱۹ء میں جب جلیان والا باغ کا انسانیت سوز واقعہ پیش آیا تو مولانا نے نہایت جوشیلی و ولولہ خیز تقریر کی، اسی تقریر سے ان کی سیاسی و سماجی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس موقع پر آپ کو رئیس المقررین کا خطاب دیا گیا۔ ☆ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا۔ ☆ ۱۹۲۱ء میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی انگریزوں کے خلاف پر جوش تقاریر کے جرم میں گرفتار کیا گیا، دو سال قید با مشقت کا حکم سنایا گیا۔ ☆ دو سال کی قید با مشقت سے رہائی کے بعد سنبھل ہی میں رہ کر اپنی ادھوری تعلیم کی طرف توجہ دی۔ ☆ ۱۹۲۴ء میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند جا کر مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اساتذہ کرام کی صحبت میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ ☆ ۱۹۲۶ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس ہو گئے۔ ☆ ۱۹۳۰ء میں جمعیت علماء ہند کے ساتویں ڈکٹیٹر کی حیثیت سے انگریزوں نے گرفتار کیا، چھ ماہ قید با مشقت کی سزا ملی۔ ☆ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں سنبھل کے مشہور و معروف نواب عاشق حسین کے مقابلہ میں فتح حاصل کی۔

☆ ۱۹۴۲ء میں جب کانگریس نے ہندوستان چھوڑو کا نعرہ دیا، تو ہندوستان کے دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ مولانا کو سنبھل سے گرفتار کیا گیا، تقریباً ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ غرض مولانا نے ہندوستان کی آزادی کے لئے تقریباً چار سال جیل میں گزارے۔

☆ ۱۹۴۶ء میں M.L.A کے الیکشن میں دوبارہ فتح حاصل کی اور ۱۹۵۲ء تک M.L.A رہے۔

☆ ۱۹۴۶ء میں اپنی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے مدرسہ شاہی مرادآباد کی درس وتدریس کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی۔

☆ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۷ء تک جمعیت علماءِ ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔

☆ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک مدرسہ چلہ امروہہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

☆ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں بخاری شریف کا درس دیا۔

☆ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام گجرات میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر بخاری ومسلم کا درس دیا۔

☆ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۴ء تک دارالعلوم بنارس میں شیخ الحدیث رہے اور درس بخاری دیا۔ غرض آپ نے ۱۷ سال تک بخاری پڑھائی۔

☆ ۱۹۷۴ء میں ملازمت کا ارادہ ترک کر کے سنبھل تشریف لے آئے اور تصنیفی کام میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی تصنیفات میں "اخبار التنزیل" یعنی قرآن کی پیشین گوئیاں، "تقلید اثر" اور "مقامات تصوف" قابل ذکر ہیں۔

☆ مولانا میرٹھ کے باشندوں کے بیحد اصرار پر وہاں آٹھ ماہ قیام فرما کر درس قرآن دیا۔

☆ آخری عمر میں کئی سال رمضان المبارک بمبئی میں گزارے اور تراویح کے بعد قرآن کریم کی تفسیر بیان فرمائی۔

☆ ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار سنبھل میں وفات ہوئی۔

Riba, Mutual Funds & Life Insurance

چند ایام سے Riba، Mutual Funds اور Life Insurance کے متعلق انٹرنیٹ کے ایک گروپ پر متعدد احباب کے خیالات پڑھنے کو ملے۔ بحث ومباحثہ مقصود نہیں ہے، صرف اصلاح کی غرض سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مضمون تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخروی زندگی سامنے رکھ کر اس فانی دنیاوی زندگی کو گزارنے والا بنائے، مال کو صرف جائز طریقہ سے کمانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری روح اس حال میں جسم سے پرواز کرے کہ اے اللہ تعالیٰ! تو ہم سے راضی اور خوش ہو۔ آمین۔

اصل موضوع سے قبل دو اہم امور پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے اصل موضوع کا سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

۱) قرآن وحدیث کی روشنی میں مال کی حیثیت:

مال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے لیکن مال کے نعمت بننے کے لئے ضروری ہے کہ مال کو حلال وسائل اختیار کرکے حاصل کیا جائے اور اس مال سے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں یعنی زکوٰۃ وغیرہ ان کی ادائیگی کی جائے۔۔۔ مال نعمت ہونے کے ساتھ ایک انسانی ضرورت بھی ہے، لیکن مال کے نعمت اور ضرورت ہونے کے باوجود خالق کائنات اور تمام نبیوں کے سردار حضور اکرم ﷺ نے مال کو متعدد جگہوں پر فتنہ، دھوکے کی چیز اور محض دنیاوی زینت کی چیز قرار دی ہے۔ چند مثالیں عرض ہیں:

☆ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورۃ الکہف ۴۶) مال واولاد تو فانی دنیا کی عارضی زینت ہیں۔

☆ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورۃ التکاثر ۱-۲) مال واولاد کی زیادتی کی

چاہت نے تمہیں اللہ کی عبادت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔

☆ اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (سورۃ الحدید ۲۰) خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا، عارضی زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر امت کے لئے ایک فتنہ رہا ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو وہاں غریب لوگوں کو زیادہ پایا۔ (بخاری و مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غریب لوگ مالداروں سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے لئے غریبی کا خوف نہیں ہے بلکہ مجھے خوف ہے کہ پچھلی قوموں کی طرح کہیں تمہارے لئے دنیا یعنی مال و دولت کھول دی جائے اور تم اس کے پیچھے پڑ جاؤ، پھر وہ مال و دولت پہلے لوگوں کی طرح تمہیں ہلاک کر دے۔ (بخاری و مسلم)

۲) قرآن و حدیث کی روشنی میں سود شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے:

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورۃ البقرۃ ۲۷۸۔۲۷۹) اے

ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

⇦ سود کھانے والوں کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی بڑے گناہ مثلاً زنا کرنے شراب پینے کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ **(تفسیر ابن کثیر)**

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک درہم سود کا کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے۔ **(مسند احمد)**

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کے ستر سے زیادہ درجے ہیں اور ادنیٰ درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا۔ **(موطا امام مالک، طبرانی)**

ان تمہیدی دو ابواب کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں، سب سے پہلے حلال، حرام اور مشتبہ چیزوں کے متعلق اللہ کے حبیب حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو پڑھیں جسمیں شبہ والی چیزوں سے تعامل کرنے کا شرعی اصول ذکر کیا گیا ہے:

عن النعمان بن بشیر ؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: **اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ ....** (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے، حرام واضح ہے۔ ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ جس شخص نے شبہ والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیا اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کی۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑے گا وہ حرام چیزوں میں پڑ جائے گا اس چرواہے کی طرح جو کانٹوں کے قریب بکریاں چراتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ ان کانٹوں میں الجھ جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حکم کے اعتبار سے چیزوں کی تین قسمیں ہیں:

۱) وہ چیزیں جن کا حلال ہونا واضح ہے، مثلاً جائز لباس وجائز کھانے وغیرہ۔

۲) وہ چیزیں جن کا حرام ہونا واضح ہے، مثلاً سود کھانا، شراب پینا، زنا کرنا، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا وغیرہ۔

۳) وہ چیزیں جن کے حلال اور حرام ہونے میں شبہ ہو جائے، مثلاً موضوع بحث مسائل (Life Insurance اور Mutual Funds)۔ امت مسلمہ کے موجودہ تمام مکاتب فکر کے بیشتر علماء ان مذکورہ شکلوں کے ناجائز و حرام ہونے پر متفق ہیں۔ بعض علماء نے موضوع بحث مسائل کی بعض شکلیں چند شرطوں کے ساتھ جائز قرار دی ہیں۔ لہذا جس کو نبی اکرم ﷺ کے اقوال وفرمان سے واقعی سچی محبت ہے جو ہر مسلمان کو ہونی چاہئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسکے لئے اسکی اولاد، اسکے والدین اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری ومسلم) تو وہ کبھی بھی ان مشتبہ امور کے قریب نہیں جائے گا، کیونکہ ہمارے نبی حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر ذکر فرمادیا کہ جس شخص نے شبہ والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیا اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرلی، اور جو شخص مشتبہ چیزوں کے چکر میں

پڑا گویا وہ حرام چیز وں میں پڑ گیا۔

میرے عزیز دوستو! ان مذکورہ شکلوں میں رقم نہ لگانے پر اگر بظاہر کچھ وقتی نقصان بھی نظر آئے تو دوسرے جائز وبہتر وسائل سے اللہ تعالیٰ روزی عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (سورۃ الطلاق ۲-۳) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے (غلط راستوں سے) چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

تنبیہ:

☆ علماء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ Shares خریدنے کے جواز کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ہم جس کمپنی کے Shares خریدنا چاہتے ہیں، اس کمپنی کے متعلق پہلے وافر معلومات حاصل کریں۔ اگر اس کمپنی کا کاروبار مثلاً شراب کا ہے، یا اس کمپنی کا کاروبار سود پر مشتمل ہے تو ایسی کمپنی کے Shares خریدنے جائز نہیں ہوں گے۔

☆ آجکل چند دنیاوی مادی طاقتیں مسلمانوں کے مال کو حاصل کرنے کے لئے اسلامی بینکنگ کے نام پر مختلف مالی پروجیکٹس پیش کرتی رہتی ہیں، تاکہ مسلمان اسلام کا نام دیکھ کر اپنی رقم ان کے حوالے کردیں۔ ان پروجیکٹس پر رقم لگانے سے قبل ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان پروجیکٹس کی مکمل تفصیلات معلوم کریں پھر علماء کرام کی سرپرستی میں رہ کر اخروی زندگی کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔

☆ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس زمانے میں سودی نظام سے بچنا انتہائی مشکل ہے، مختلف اسباب کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک سودی نظام سے جڑنا ہی پڑتا ہے۔۔۔۔ میری ایسے تمام حضرات سے درخواست ہے کہ ہمیں اس دنیاوی زندگی میں رہ کر ہمیشہ ہمیشہ کی اخروی زندگی کی تیاری کرنی ہے، موت کا آنا یقینی ہے، البتہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں کہ ملک الموت کب ہماری جان نکالنے کے لئے آجائے، آنکھ بند ہونے کے بعد پھر ہمیں کوئی دوسرا موقعہ آخرت کی تیاری کرنے کا میسر نہیں ہوگا۔ لہذا بظاہر دنیاوی نقصان وضرر کو برداشت کریں، کیونکہ دنیاوی زندگی تو بہر حال گزر جائے گی، لیکن آخرت کی ناکامی پر ناقابل تلافی نقصان وخسارہ ہوگا۔ میرے عزیز ساتھیو! مرنے کے بعد مال واولاد اسی وقت کام آئے گی جب ہم نے حلال وسائل اختیار کرکے مال کو کما کر ان پر خرچ کیا ہوگا۔

☆ جن حضرات نے بینکوں میں اپنا مال جمع کررکھا ہے اور اس پر سود مل رہا ہے، اس سے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ سود کی رقم بینکوں سے نکال کر عام رفاہی کاموں میں لگادیں، اپنے اوپر یا اپنی اولاد پر ہرگز خرچ نہ کریں۔

☆ بعض حضرات اگر Mutual Funds اور Life Insurance سے متفق ہیں تو میری ان سے درخواست ہے کہ وہ کم از کم دوسروں کو Emails بھیج کر دوسروں کو شک وشبہ میں نہ ڈالیں، کیونکہ اسلام نے نہ تو ہمارے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ ہم دوسروں کے مال کو بڑھانے کی فکر کریں اور نہ ہی اس کی کوئی ترغیب دی ہے، بلکہ قرآن وحدیث میں مال کو متعدد جگہوں پر فتنہ، دھوکے کی چیز، اور محض دنیاوی زینت کی چیز قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حلال، وسیع اور برکت والا رزق عطا فرمائے، اور مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرنے والا بنائے، آمین۔

قسطوں پر گاڑی یا مکان خریدنا

آجکل قسطوں پر گاڑی یا مکان خریدنے کا کافی رواج ہوگیا ہے۔۔۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جب آپ گاڑی خریدنے کے لئے Show Room جاتے ہیں تو گاڑی فروخت کرنے والا کہتا ہے کہ فلاں گاڑی Cash خریدنے پر مثلاً 50,000 ریال کی ہے، اور قسطوں میں خریدنے پر 60,000 ریال کی ہے۔ اگر آپ گاڑی قسطوں میں خریدنے کے لئے راضی ہوجاتے ہیں، تو دونوں Party (بائع اور مشتری) ایک Contract پر جسمیں Down Payment اور قسطوں کی ادائیگی کی تفصیل درج ہوتی ہے، دستخط کردیتی ہیں۔ اس طرح قسطوں پر گاڑی خریدنا یا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ لیکن اس بیع کے صحیح ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کے وقت، گاڑی بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں ہونی چاہئے۔

لیکن ان دنوں ایک اور مسئلہ درپیش ہے کہ گاڑی فروخت کرنے والا مثلاً (Show Room) کسی Bank یا Investment Company سے معاہدہ کرلیتا ہے جس کی بنیاد پر بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی گاڑی خریدنے والے کی طرف سے گاڑی کی مکمل قیمت Cash ادا کردیتی ہے اور گاڑی خریدنے والا گاڑی کی قیمت قسطوں پر بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی کو ادا کرتا ہے۔ یہ شکل وصورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی سے سود پر قرض لینے کے مترادف ہے، جو قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام ہے۔

البتہ موجودہ مسئلہ میں جائز کی شکل اس طرح ہوسکتی ہے کہ بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی Show Room سے گاڑی Cash خرید لے، اور گاڑی بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی کی ملکیت اور قبضہ میں آجائے، پھر بینک یا انویسٹمیٹ کمپنی قسطوں پر گاڑی فروخت کرے۔

☆ قسطوں پر مکان خریدنے کے مسائل بھی تقریباً قسطوں پر گاڑی خریدنے کی طرح ہیں۔

غرض اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے شریعت کے چند اصولوں کو ذہن میں رکھیں:

☆ سود پر پیسا لینا، یا دینا یا سود کے کاروبار میں کسی طرح کی شرکت کرنا قطعاً حرام ہے۔ اس لئے ہمیں سود کے شبہ سے بھی بچنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: سود کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اور ادنیٰ ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا۔ (ابن ماجہ، حاکم، طبرانی)۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ایک درہم سود کا کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے۔ (مسند احمد) اللہ تعالیٰ ہمیں سود کی ہر شکل وصورت سے محفوظ فرمائے، آمین۔

☆ جو چیز آپ کی ملکیت میں نہیں ہے، اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو ملکیت اور قبضہ میں نہیں ہے۔

☆ پیسے کا مقابلہ اگر پیسے سے ہے تو کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

☆ پیسے کا مقابلہ اگر سامان یا کسی چیز سے ہے تو کمی بیشی جائز ہے۔

اس موضوع سے متعلق چند مسائل:

☆ مکان کے چھ ماہ کا کرایہ چھ ہزار ریال اور ایک سال کا مکمل کرایہ بیک وقت ادا کرنے کی صورت میں دو ہزار ریال کم یعنی دس ہزار ریال ۔۔۔۔ شرعاً اس طرح کرایہ لینا یا دینا جائز ہے، کیونکہ یہاں پیسے کا مقابلہ پیسے سے نہیں ہے بلکہ مکان سے ہے۔

☆ آپ کے پاس مکان کے چھ ماہ کا کرایہ ادا کرنے کے لئے چھ ہزار ریال موجود ہیں۔ آپ نے اپنے دوست سے کہا کہ تم چار ہزار ریال مجھے اس وقت قرض دیدو، تاکہ میں ایک سال کا کرایہ ادا کردوں جس سے دو ہزار ریال بچ جائیں اور وہ تم مجھ سے لے لینا یعنی میں تمہیں بعد میں چھ ہزار ریال واپس ادا کردوں گا۔ شرعاً اس طرح دو ہزار ریال زیادہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں پیسے کا مقابلہ پیسے سے ہے، جو کہ سود ہے۔

تین طلاق کا مسئلہ

حال ہی میں انٹرنیٹ کے ایک گروپ پر طلاق کے متعلق ایک فتوی پر مختلف حضرات کے تاثرات پڑھنے کو ملے۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ بعض حضرات طلاق کے معنی تک نہیں جانتے لیکن طلاق کے مسائل پر اپنی رائے لکھنے کو دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

میرے عزیز دوستوں! آپ کسی مسئلہ پر کسی عالم امفتی کی رائے سے اختلاف کرسکتے ہیں مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ سے واقفیت کے بغیر کسی فتوی امسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا اور اسکو بلاوجہ موضوع بحث بنانا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی مسئلہ آپکی سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو آپ معتبر علماء سے رجوع فرمائیں، ممکن ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی رائے بھی وہی ہو۔ اگر مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ سے ڈرتے ہوئے عالم امفتی جوبات صحیح سمجھے گا اس کو تحریر فرمائے گا، خواہ آپ اس سے متفق ہوں یا نہیں۔

موضوع بحث مسئلہ (طلاق) پر گفتگو کرنے سے قبل نکاح کی حقیقت کو سمجھیں کہ نکاح کی حیثیت اگر ایک طرف باہمی معاملہ ومعاہدہ کی ہے تو دوسری طرف یہ سنت وعبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک بہت ہی سنجیدہ اور قابل احترام معاملہ ہے جو اس لئے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہاں تک کہ موت ہی میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کرے۔ یہ ایک ایسا قابل قدر رشتہ ہے جو تکمیل انسانیت کا ذریعہ اور رضائے الٰہی واتباع سنت کا وسیلہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے ٹوٹنے سے نہ صرف میاں بیوی متاثر ہوتے ہیں بلکہ اس سے پورے گھریلو نظام کی چولیں ہل جاتی ہیں اور بسا اوقات خاندانوں میں جھگڑے تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کی

حلال کردہ چیزوں میں طلاق سے زیادہ گھناؤنی اور کوئی چیز نہیں ہے۔(ابوداؤد) اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ طلاق کا لفظ کبھی مذاق میں بھی زبان پر نہ لایا جائے۔

اسی لئے جو اسباب اس بابرکت اور مقدس رشتہ کو توڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں انہیں راستے سے ہٹانے کا شریعت نے مکمل انتظام کیا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی میں اختلاف کی صورت میں سب سے پہلے ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، پھر زجر و تنبیہ (ڈانٹ ڈپٹ) کی جائے۔ اور اس سے بھی کام نہ چلے اور بات بڑھ جائے تو دونوں خاندان کے چند افراد مل کر معاملہ طے کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن بسا اوقات حالات اس حد تک بگڑ جاتے ہیں کہ اصلاح حال کی یہ ساری کوششیں بے سود ہو جاتی ہیں اور رشتہ ازدواج سے مطلوب فوائد حاصل ہونے کے بجائے میاں بیوی کا باہم مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسی ناگزیر حالت میں کبھی کبھی ازدواجی زندگی کا ختم کر دینا ہی نہ صرف دونوں کے لئے بلکہ دونوں خاندانوں کے لئے باعث راحت ہوتا ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ نے طلاق اور فسخ نکاح (خُلع) کا قانون بنایا، جس میں طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا گیا کیونکہ اسمیں عادتاً طبعاً عورت کے مقابلہ فکر و تدبر اور برداشت و تحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (سورۃ النساء ۳۴) میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن عورت کو بھی اس حق سے یکسر محروم نہیں کیا گیا بلکہ اسے بھی یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شرعی عدالت میں اپنا موقف پیش کر کے قانون کے مطابق طلاق حاصل کر سکتی ہے جس کو خُلع کہا جاتا ہے۔

مرد کو طلاق کا اختیار دے کر اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اسے تاکیدی ہدایت دی گئی ہے کہ کسی وقتی وہنگامی ناگواری میں اس حق کا استعمال نہ کرے۔ نیز حیض کے زمانہ میں یا

ایسے طہر (پاکی) میں جس میں ہم بستری ہوچکی ہے طلاق نہ دے کیونکہ اس صورت میں عورت کی عدت خوا مخواہ لمبی ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس حق کے استعمال کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس پاکی کے ایام میں ہم بستری نہیں کی گئی ہے ایک طلاق دے کر رک جائے، عدت پوری ہوجانے پر رشتہ نکاح خود ہی ختم ہوجائے گا۔ دوسری یا تیسری طلاق کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر دوسری یا تیسری طلاق دینی ہی ہے تو الگ الگ طہر میں دی جائے۔۔۔ پھر معاملۂ نکاح کو توڑنے میں یہ لچک رکھی گئی ہے کہ دوران عدت اگر مرد اپنی طلاق سے رجوع کرلے تو نکاح سابق بحال رہےگا۔۔۔ نیز عورت کو ضرر سے بچانے کی غرض سے حق رجعت کو بھی دو طلاقوں تک محدود کردیا گیا تاکہ کوئی شوہر محض عورت کو ستانے کے لئے ایسا نہ کرے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے اور رجعت کرکے قید نکاح میں اسے محبوس رکھے جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیات نازل ہونے سے پہلے بعض لوگ کیا کرتے تھے، بلکہ شوہر کو پابند کردیا گیا کہ اختیار رجعت صرف دو طلاقوں تک ہی ہے۔ تین طلاقوں کی صورت میں یہ اختیار ختم ہوجائے گا بلکہ میاں بیوی اگر باہمی رضامندی سے بھی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایک خاص صورت کے علاوہ یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (سورۃ البقرہ ۲۳۰) میں یہی خاص صورت بیان کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تیسری طلاق دے دی تو دونوں میاں بیوی رشتہ نکاح سے منسلک ہونا بھی چاہیں تو وہ ایسا نہیں کرسکتے یہاں تک کہ یہ عورت طلاق کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں۔ پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا وفات پاجائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہی وہ جائز حلالہ ہے جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

اب موضوعِ بحث مسئلہ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے حماقت اور جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے ابغض الحلال طلاق کے بہتر طریقہ کو چھوڑ کر غیر مشروع طور پر طلاق دیدی مثلاً تین طلاقیں ناپاکی کے ایام میں دے دیں، یا ایک ہی طہر میں الگ الگ وقت میں تین طلاقیں دے دیں، یا الگ الگ تین طلاقیں ایسے تین پاکی کے ایام میں دیں جسمیں کوئی صحبت کی ہو یا ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں۔۔ تو اس کا کیا اثر ہوگا ؟؟؟

ابغض الحلال طلاق کے بہتر طریقہ کو چھوڑ کر مذکورہ بالا تمام غیر مشروع صورتوں میں تین ہی طلاق پڑنے پر تمام علماء کرام متفق ہیں، سوائے ایک صورت کے، کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو کیا ایک واقع ہوگی یا تین۔ جمہور علماء کی رائے کے مطابق تین ہی طلاق واقع ہوں گی۔ فقہاء صحابۂ کرام حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ وغیرہ تین ہی طلاق پڑنے کے قائل تھے۔ نیز چاروں امام (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی، جیسا کہ ۱۳۹۳ھ میں سعودی عرب کے بڑے بڑے علماء کرام کی اکثریت نے بحث ومباحثہ کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی فیصلہ کیا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ یہ پوری بحث اور مفصل تجویز مجلة البحوث الاسلامية ۱۳۹۷ھ میں ۱۵۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے جو اس موضوع پر ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فیصلہ میں سعودی عرب کے جو اکابر علماء شریک رہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (۱) شیخ عبدالعزیز بن باز (۲) شیخ عبداللہ بن حمید (۳) شیخ محمد الامین الشنقیطی (۴) شیخ سلیمان بن عبید (۵) شیخ عبداللہ خیاط (۶) شیخ محمد الحرکان (۷) شیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ (۸) شیخ عبدالرزاق عفیفی (۹)

شیخ عبدالعزیز بن صالح (۱۰) شیخ صالح بن غصون (۱۱) شیخ محمد بن جبیر (۱۲) شیخ عبد المجید حسن (۱۳) شیخ راشد بن خنین (۱۴) شیخ صالح بن لحیدان (۱۵) شیخ عبد الرزاق عفیفی (۱۶) شیخ عبداللہ بن غدیان (۱۷) شیخ عبداللہ بن منیع۔ سعودی عرب کے ہیئۃ کبار العلماء کا یہ فیصلہ اختصار کے ساتھ اس Link پر پڑھا جا سکتا ہے۔

(http://islamtoday.net/bohooth/artshow-32-6230.htm)

مضمون کے آخر میں اس فیصلہ کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ سعودی عرب کے اکابر علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ فرمایا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر تین ہی واقع ہوں گی۔ علماء کرام کی دوسری جماعت نے جن دو احادیث کو بنیاد بنا کر ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر ایک واقع ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، سعودی عرب کے اکابر علماء نے ان احادیث کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ نیز ہند، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کے تقریباً تمام علماء کرام کی بھی یہی رائے ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ۱۴۰۰ سال سے امت مسلمہ (90-95%) اسی بات پر متفق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی، لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو اختیار رجعت ختم ہوجائے گا نیز میاں بیوی اگر باہمی رضامندی سے بھی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ عورت طلاق کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں۔ پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا وفات پاجائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہی وہ جائز حلالہ ہے جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرہ ۲۳۰)

﴿نوٹ﴾: خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر بے شمار مواقع پر باقاعدہ طور پر تین ہی طلاق کا فیصلہ صادر کیا جاتا رہا، کسی ایک صحابی کا کوئی اختلاف حتی کہ کسی ضعیف روایت سے بھی نہیں ملتا۔ اس بات کو پوری امت مسلمہ مانتی ہے۔ لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جمہور فقہاء کرام خاص کر (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اوران کے تمام شاگردوں کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی۔

آخر میں تمام حضرات سے خصوصی درخواست کرتا ہوں کہ مسائل سے واقفیت کے بغیر بلاوجہ Email بھیج کر لوگوں میں Confusions پیدا نہ کریں۔ علماء کرام کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل قرآن کریم میں علماء کرام کے متعلق اللہ جل شانہ کے فرمان کا بخوبی مطالعہ فرمائیں: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ فاطر ۲۸) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں علماء کرام ہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ اس موضوع پر اگر کوئی سوال ہے تو گروپ پر بھیجنے کے بجائے کسی عالم سے رجوع فرمائیں۔

سعودی عرب کی مجلس کبار علماء کا فیصلہ
تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق پڑتی ہے

ابتدائیہ: وہ فروعی اور اختلافی مسائل، جن پر اصرار اور تشدد کو ہمارے ملک کے بعض حضرات نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاق کے ایک ہونے کا ہے۔ انہیں اصرار ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، یہ مسئلہ آج کل فرقہ پرست اور مسلم دشمن عناصر کے ہاتھوں میں کچھ اس طرح پہونچ گیا ہے، کہ انہوں نے اس کو مسلم پرسنل لاء میں تحریف و ترمیم کے لئے نقطۂ آغاز سمجھ لیا اور عنوان یہ بنایا گیا کہ اس کے ذریعہ سے مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو سکے گی، پھر اسی بنیاد پر یہ شور دیا جانے لگا کہ جب قدیم فتاویٰ سے انحراف کرکے طلاق کے مسئلہ میں نیا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ دوسرے مسائل پر بھی غور کیا جائے، حالانکہ یہ ہے کہ اس خالص علمی و فقہی مسئلہ کو اخبارات نے بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فتنہ ہے۔

سعودی عرب کی ہیئت کبار علماء نے اپنے ایک اجلاس میں موضوع کے تمام گوشوں پر بحث و مناقشہ کرکے فیصلہ کیا ہے کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاق، تین ہی ہوتی ہے۔ یہ بحث و مناقشہ اور قرارداد ریاض کے مجلہ البحوث الاسلامیۃ جلد اول کے تیسرے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ اس بحث اور قرارداد کا ترجمہ اب سے چند سال پہلے محدث جلیل ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کے ایماء پر المجمع العلمی مئو کی جانب سے شائع ہوا تھا، چونکہ بعض حضرات سعودی عرب کو اپنا ہم مسلک سمجھتے ہیں اور عوامی سطح پر ان کو بطور حجت پیش کرتے ہیں، نیز اسلام دشمن عناصر بھی بعض مسائل میں مسلم ممالک کا حوالہ پیش کرتے ہیں، اس لئے موجودہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسے دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ خدا کرے یہ فتنہ ٹھنڈا ہو۔

مدیر المجمع العلمی

مخالفین کا نقطۂ نظر: مخالفین کی رائے میں بیک لفظ تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے، صحیح روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول مروی ہے اور صحابۂ کرام میں حضرت زبیرؓ، ابن عوفؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ اور تابعین میں عکرمہ و طاؤس وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ اور ان کے بعد محمد بن اسحٰقؒ، خلاسؒ، حارث عکلیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ وغیرہ نے بھی اس کے موافق فتویٰ دیا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ نے اغاثۃ اللھفان میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ (اغاثہ ۱/۷۹ بحوالہ اعلام مرفوعہ/۳۰) ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (البقرۃ: ۲۲۹) ''طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ''۔ آیت کی توضیح یہ ہے کہ شروع طلاق جس میں شوہر کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے تو بیوی سے رجعت کرے یا بلا رجعت اسے چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے اور بیوی شوہر سے جدا ہو جائے وہ دو بار ہے۔ ''مرتان'' کا معنی ''مرۃ بعد مرۃ'' ہے، خواہ ہر مرتبہ ایک طلاق دے یا بیک لفظ تین طلاق دے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ''دو مرتبہ'' کہا ہے ''دو طلاق'' نہیں کہا ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (البقرۃ: ۲۳۰) ''پھر اگر طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کر لے''۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ تیسری مرتبہ بیوی کو طلاق دینے سے وہ حرام ہو جاتی ہے، خواہ تیسری مرتبہ ایک طلاق دی ہو یا بیک لفظ تین طلاق دی ہو۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ متفرق طور پر تین مرتبہ طلاق دینے کی مشروعیت ہوئی بلہذا ایک مرتبہ میں تین طلاق دینا ایک کہلائے گا اور وہ ایک سمجھا جائے گا۔

(۲) مسلمؒ نے اپنی صحیح میں بطریق طاؤس ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے: كان الطلاق الثلث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكرؓ وسنتين من خلافة عمرؓ طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رضي الله عنه ان الناس قد استعجلوا في امر كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور ابو بکرؓ کی خلافت اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جس میں مہلت تھی عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اگر ہم اسے یعنی تین طلاق کو نافذ کر دیتے تو اچھا ہوتا بس اسے نافذ کر دیا''۔ مسلم میں ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''ابو الصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا''۔

یہ حدیث بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں اس حدیث پر برابر عمل جاری رہا اور حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے اس میں عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے،

انھوں نے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا۔ نیز حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے میں صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور کسی ایسی حدیث کے چھوڑنے میں جس کا نسخ حضرت عمرؓ کو معلوم ہو، صحابۂ کرام سے مشورہ نہیں کرتے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ کے جو جوابات دیے گئے ہیں، وہ یا تو پر تکلف تاویل ہے یا بلا دلیل لفظ کو خلاف ظاہر پر محمول کرنا ہے یا شذوذ و اضطراب اور طاؤس کے ضعیف ہونے کا طعن ہے لیکن مسلم نے جب اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے تو یہ طعن نا قابل تسلیم ہے۔ مسلمؒ نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیث ہی روایت کریں گے اور پھر اس حدیث کو مطعون کرنے والے اسی حدیث کے آخری حصہ "فقال عمرؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ الخ" کو اپنے قول کی حجت بناتے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حدیث کا آخری حصہ قابل قبول حجت ہو اور اس کا ابتدائی حصہ اضطراب اور راوی کے ضعف کی وجہ سے نا قابل حجت ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ عہد نبوی میں تین طلاق کے ایک ہونے پر عمل جاری رہا ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ رہی ہو، جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا، ابھی وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت عمرؓ کے زمانے تک پوری امت ایک خطا پر عمل کرتی رہی ہو۔ انھیں جیسی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کو ان کی حدیث کا معارض ٹھہرایا جائے۔ علماء حدیث اور جمہور فقہاء کے نزدیک بشرط صحت راوی کی روایت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس کے خلاف اس کی رائے یا فتویٰ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ ان لوگوں کا بھی ہے جو ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ کرتے ہیں۔ لوگوں نے عہد فاروقی میں ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور حدیث ابن عباسؓ کو اس اجماع کا معارض ٹھہرایا ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں سلف سے خلف تک اور آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔

حدیث زوجۂ رفاعہ قرظی سے بھی استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی تھی اور رفاعہ نضری کا اپنی بیوی کے ساتھ اس جیسا واقعہ ثابت نہیں کہ واقعات متعدد مانے جائیں اور ابن حجرؒ نے تعدد واقعہ کا فیصلہ نہیں کیا۔ انھوں نے یہ کہا ہے کہ اگر رفاعہ نضری کی حدیث محفوظ ہوگی تو دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد ہے، ورنہ ابن حجرؒ نے اصابہ میں کہا ہے: "۔۔۔۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ دونوں واقعہ میں دوسرے شوہر کا نام عبد الرحمٰن بن الزبیر متحد ہے"۔

(۳) امام احمد نے اپنی مسند میں بطریق عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی المطلب امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن و علیھا

حزناً شديداً قال فسأله رسول الله علیہ وسلم کیف طلقتها ؟قال طلقتها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد؟ قال :نعم، فقال فانما تلک واحدۃ فارجعها ان شئت، قال :فراجعها.
"رکانہ بن عبد یزید نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دی پھر اس پر بہت غمگین ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، تم نے کیسی طلاق دی ہے؟ کہا کہ تین طلاق دی ہے، پوچھا کہ ایک مجلس میں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف ایک طلاق ہوئی اگر چاہو تو رجعت کر سکتے ہو، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنی بیوی سے رجعت بھی کر لیا تھا"۔
ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ امام احمدؒ اس حدیث کے سند کی تصحیح و تحسین کرتے تھے۔(حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے" وھو معلول ایضا" یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح و ضعیف ہے(ص:۳۱۹) اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو ابو داود ابن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے، بس اس حالت میں اگر اس کی اسناد حسن یا صحیح بھی ہو، تو استدلال نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں۔(اعلام مرفوعہ :۲۵)
اور یہ جو مروی ہے کہ رکانہ نے لفظ" بتہ" سے طلاق دی تھی، اسے احمدؒ، بخاریؒ اور ابو عبیدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔(امام شافعیؒ، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بی بی کو لفظ" بتہ" کے ساتھ طلاق دی۔۔۔۔۔۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص /۳۱۹، میں لکھا ہے(صححہ ابو داؤد وابن حبان والحاکم) یعنی اس حدیث کو ابو داود، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ابن ماجہ/۱۴۹، میں ہے کہ میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا" ما اشرف ھذا الحدیث" یہ حدیث کتنی شریف وبہتر ہے۔(اعلام مرفوعہ/۱۱،الکلام المحرث الاعظمی)
(۳) ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو سال میں ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک ہی سمجھا جاتا رہا اور جو فتاویٰ صحابہؓ کرام سے اس کے خلاف مروی ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق نافذ کرنے کے بعد کے ہیں۔تین طلاق نافذ کرنے سے حضرت عمرؓ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ اسے ایک مستقل قاعدہ بنا ڈالیں جو ہمیشہ مستمر رہے، ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ جب تک دواعی و اسباب موجود ہیں، تین طلاق کو نافذ قرار دیا جائے، جیسا کہ تغیر حالات سے بدلنے والے فتاویٰ کا حال ہوتا ہے۔ اور امام کو اس وقت رعایا کی تعزیر کا حق بھی ہے، جس وقت ایسے معاملات میں جن کے کرنے اور چھوڑنے کا ان کو اختیار ہو، سوئے تصرف پیدا ہو جائے جیسا کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا کے طور پر

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ کو ایک وقت تک اپنی بیویوں سے جدا رہنے کا حکم دیدیا تھا۔ باوجود یکہ ان کی بیویوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی یا جیسے شراب نوشی کی سزائیں زیادتی یا تا 2روں کی ناجائز نفع اندوزی کے وقت قیمتوں کی تعیین، یا جان ومال کی حفاظت کے لئے لوگوں کو خطرناک راستوں پر جانے سے روکنا باوجودیکہ ان راستوں پر ہر ایک کو سفر کرنا مباح رہا ہو۔

(۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ تین طلاق کو لعان کی شہادتوں پر قیاس کیا جائے۔ اگر شوہر کہے میں اللہ کی چار شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اسے ایک ہی شہادت سمجھا جاتا ہے لہذا جب اپنی بیوی سے ایک مرتبہ میں کہا کہ میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں تو اسے ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا اور اگر اقرار کا تکرار کئے بغیر کہے کہ میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتا ہوں تو اسے ایک ہی اقرار سمجھا جاتا ہے، یہی حال طلاق کا بھی ہے اور ہر وہ بات جس میں قول کا تکرار معتبر ہے، محض عدد ذکر کر دینا کافی نہ ہوگا، مثلاً فرض نمازوں کے بعد تسبیح وتحمید وغیرہ۔

(شیخ شنقیطی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ شوہر اگر لعان کی صرف ایک ہی شہادت پر اکتفا کرلے تو وہ کالعدم قرار دیدی جاتی ہے، جب کہ ایک طلاق کالعدم نہیں قرار دی جاتی، وہ بھی نافذ ہوجاتی ہے۔ (اضواء البیان ۱/۱۹۵، بحوالہ مجلۃ البحوث)

<u>جمہور کا مسلک</u>: بیک لفظ تین طلاق دینے سے تین واقع ہوجائیں گی، یہ جمہور صحابہ وتابعین اور تمام ائمہ مجتہدین کا مسلک ہے اور اس پر انھوں نے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے دلائل قائم کئے ہیں۔ ان میں سے اہم دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا. (الطلاق: ۱)

''اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، ان کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو صریح بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے بڑھے تو اس نے اپنا برا کیا اس کو خبر نہیں کہ شاید اللہ اس طلاق کے بعد نئی صورت پیدا کردے''۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے وہ طلاق شروع کی ہے جس کے بعد عدت شروع ہوتا کہ طلاق دینے والا اختیار رہو، چاہے تو عمدہ طریقہ سے بیوی کو روک لے یا خوبصورتی کے

ساتھ چھوڑ دے۔ اور یہ اختیار اگر چہ ایک لفظ میں رجعت سے پہلے تین طلاق جمع کر دینے سے نہیں حاصل ہوسکتا لیکن آیت کے ضمن میں دلیل موجود ہے کہ یہ طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ اگر واقع نہ ہوتی تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا نہ کہلاتا اور نہ اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے: ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً. تخریج کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے رجعت کی ہے۔ ایک سائل کے جواب میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی۔ آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً" اور تم نے اللہ سے خوف نہیں کیا لہذا میں تمہارے لئے کوئی خلاصی کی راہ نہیں پاتا ہوں۔ تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تم سے تمہاری بیوی جدا ہوگئی۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دیدے، وہ خود پر ظلم کرنے والا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تین طلاق سے ایک ہی واقع ہوتی ہے تو اس کو اللہ سے ڈرا نہیں کہا جا سکتا۔ جس کا حکم "ومن یتق اللہ الخ" میں دیا گیا ہے اور جس کا التزام کرنے سے خلاصی کی سبیل پیدا ہوتی اور نہ یہ ظالم کی سزا ہو سکتی ہے۔ جو حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے تو گویا شارع نے ایک منکر بات کہنے والے پر اس کا اثر مرتب نہیں کیا۔ جو اس کے لئے عقوبت بنتا۔ جیسا کہ بیوی سے ظہار کرنے والے پر بطور عقوبت کفارہ لازم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تینوں طلاق نافذ کر کے طلاق دینے والے کو سزا دی ہے اور اس کے سامنے راستہ مسدود کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اللہ سے خوف نہیں کیا خود پر ظلم کیا اور اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔

(۲) صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان رجلا طلق امرأتہ ثلاثا فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول؟ قال: لا حتی یذوق عسیلتہا کما ذاق الاول. " ایک شخص نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیدیں۔ اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی۔ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کے لئے حلال ہوگئی یا نہیں؟ فرمایا کہ نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کی طرح لطف اندوز صحبت نہ ہو پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی"۔ بخاریؒ نے یہ حدیث "باب من اجاز الطلاق ثلاثا" کے تحت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی اس سے یکجا تین طلاق ہی سمجھا ہے؛ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ رفاعہ قرظی کے واقعہ کا مختصر ہے۔ جس کی بعض روایات میں آیا ہے کہ انھوں نے تین طلاقوں میں کی آخری طلاق دی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اعتراض کو اس طرح رد کیا ہے کہ رفاعہ قرظی کے علاوہ بھی ایک صحابی کا ایسا ہی واقعہ اپنی بیوی کے ساتھ پیش آیا ہے اور دونوں ہی عورتوں سے عبدالرحمن ابن الزبیرؓ نے نکاح کیا تھا اور صحبت سے پہلے ہی طلاق دیدی تھی۔

لہٰذا امام قرطبی کے واقعہ پر اس حدیث کو محمول کرنا بے دلیل ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ "اس سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو دونوں واقعہ کو ایک کہتے ہیں"۔

جب حدیث عائشہؓ کا حدیث ابن عباسؓ کے ساتھ تقابل کیا جائے تو دو حال پیدا ہوتے ہیں۔ یا تو دونوں حضرات کی حدیث میں تین طلاق مجموعی طور پر مراد ہے یا متفرق طور پر۔ اگر تین طلاق یکجائی مراد ہے تو حدیث عائشہؓ متفق علیہ ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے، اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ وہ عورت تین طلاق کی وجہ سے حرام ہوگئی تھی اور اب شوہر ثانی سے وطی کے بعد شوہر اول کے لئے حلال ہوسکتی ہے اور اگر متفرق طور پر مراد ہے تو حدیث ابن عباسؓ میں یکجائی تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک طلاق پڑتی ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں متفرق طلاقوں کا ذکر ہے اور یہ کہنا کہ حدیث عائشہؓ میں تین طلاق متفرق اور حدیث ابن عباسؓ میں مجموعی طور پر مراد ہے، بلا وجہ ہے۔ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں، جو یکجائی تین طلاق کے نافذ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے:

١- حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ابن ابی شیبہ، بیہقی، دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
٢- حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
٣- حضرت معاذ ابن جبلؓ کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
٤- حضرت حسنؓ بن علیؓ کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
٥- عامر شعبیؒ سے فاطمہ بنت قیسؓ کے واقعۂ طلاق کی حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔
٦- حضرت عبادہ بن صامت کی ایک حدیث دار قطنی و مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے۔

ان تمام احادیث سے تین طلاق کا لازم ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت الاستاذ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا رسالہ اعلام مرفوعہ ٢٣٣۔

(٣) بعض فقہاء مثلاً ابن قدامہ حنبلیؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ نکاح ایک ملک ہے، جسے متفرق طور پر زائل کیا جاسکتا ہے تو مجموعی طور پر بھی زائل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ تمام ملکیتوں کا یہی حکم ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دی تو بیوی اس کے لئے اس وقت حلال ہوسکتی ہے جب کسی دوسرے شوہر سے ہم صحبت ہولے۔ اس میں لغۃً اور شرعاً شوہر اول کے تین طلاق مجموعی یا متفرق طور

پر دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق محض صورۃً ہے جس کو شارع نے لغو قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ شارع نے حق۔ اقرار اور نکاح کو جمع اور تفریق کی صورت میں یکساں رکھا ہے۔ مولی اگر بیک لفظ کہے کہ میں نے ان تینوں عورتوں کا نکاح تم سے کر دیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے جیسے الگ الگ یوں کہے کہ اس کا اور اس کا نکاح تم سے کر دیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کہے کہ میں نے ان تینوں غلاموں کو آزاد کر دیا تو سب کی آزادی نافذ ہو جائے گی۔ جیسے الگ الگ یوں کہے کہ میں نے اس کو اور اس کو اور اس کو آزاد کیا تو سب کی آزادی نافذ ہو جاتی ہے۔ یہی حال اقرار کا بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمع وتفریق میں کوئی فرق نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یکجائی تین طلاق دینے والے کو اپنا اختیار ضائع کرنے میں انتہا پسندی پر ملازمت کا مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

(۴) بعض مخالفین کے علاوہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ہازل کی طلاق حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی اس حدیث کی وجہ سے واقع ہو جاتی ہے جسے تمام امت نے قبول کیا ہے۔ ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والنكاح والرجعة . "تین چیزیں ہیں جن کا واقعی بھی حقیقت ہے اور مذاق بھی حقیقت ہے۔ طلاق، نکاح اور رجعت"۔ مذاق میں طلاق دینے والے کا دل بھی قصد وارادہ کے ساتھ طلاق کا ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا جو طلاق ایک سے زائد ہوگی، وہ مسنّی طلاق سے خارج نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ بھی صریح طلاق ہوگی اور تین طلاق کو ایک سمجھا گیا بعض عدد کو زیر عمل لا کر باقی کو چھوڑ دینا ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

(۵) یکجائی تین طلاق دینے سے تین واقع ہوا اکثر اہل علم کا قول ہے۔ اسی کو حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ اصحاب رسول نے اختیار کیا ہے اور ائمہ اربعہ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے علاوہ دوسرے فقہاء مجتہدین ابن ابی لیلیؒ، اوزاعیؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابن عبد الہادیؒ نے ابن رجبؒ سے نقل کیا ہے کہ میرے علم میں کسی صحابی اور کسی تابعی اور جن ائمہ کے اقوال حلال وحرام کے فتوی میں معتبر ہیں، ان میں سے کسی سے کوئی ایسی صریح بات ثابت نہیں جو بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر دلالت کرے، خود ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے حکم میں مختلف اقوال پیش کرنے کے دوران کہا

دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے اور لازم ہو نافذ ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا آخری قول ہے۔ ان کے اکثر تلامذہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور یہی مذہب سلف صحابہ وتابعین کی ایک بڑی تعداد سے منقول ہے"۔

اور ابن قیمؒ نے کہا "ایک لفظ کی تین طلاق کے بارے میں لوگوں کا چار مذہب ہے۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ

تین طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بہت سے صحابہ کرام کا ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا: "ہمارے علماء نے فرمایا کہ تمام ائمہ فتاویٰ ایک لفظ سے تین طلاق کے لازم ہونے پر متفق ہیں اور یہی جمہور سلف کا قول ہے"۔ ابن عربیؒ نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں کہا ہے اور اسے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن میں نقل کیا ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الطلاق مرتان (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے) آخر زمانہ میں ایک جماعت نے لغزش کھائی اور کہنے لگے: ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ نہیں ہوتی، انھوں نے اس کو ایک بنا دیا اور اس قول کو سلف اول کی طرف منسوب کر دیا۔ علیؓ، زبیرؓ، ابن عوفؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا اور حجاج بن ارطاۃ کی طرف روایت کی نسبت کر دی؛ جن کا مرتبہ ومقام کمزور اور مجروح ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت کی گئی جس کی کوئی اصلیت نہیں"۔ انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ: "لوگوں نے اس سلسلہ میں جو احادیث صحابہ کی طرف منسوب کی ہیں، وہ محض افتراء ہے، کسی کتاب میں اس کی اصل نہیں اور نہ کسی سے اس کی روایت ثابت ہے"۔ اور آگے کہا: "حجاج بن ارطاۃ کی حدیث نہ امت میں مقبول ہے اور نہ کسی امام کے نزدیک حجت ہے"۔

(٦) حدیث ابن عباسؓ کے جوابات: حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر کہ "عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک تھی" کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں، جن کی بنا پر اس حدیث سے استدلال کمزور پڑ جاتا ہے۔

(الف) اس حدیث کے سند ومتن میں اضطراب ہے، سند میں اضطراب یہ ہے کہ کبھی "عن طاؤس عن ابن عباس" کہا گیا، کبھی "عن طاؤس عن ابی الصہباء عن ابن عباس" اور کبھی "عن ابی الجوزاء عن ابن عباس" آیا ہے متن میں اضطراب یہ ہے کہ ابو الصہباء نے کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے: الم تعلم أن الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة . "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مرد جب ملاقات سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو لوگ اسے ایک شمار کرتے تھے"۔ اور کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے: الم تعلم ان الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر و صدرا من خلافة عمر واحدة . "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور خلافت میں تین طلاق ایک تھی"۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور طاؤس میں کلام ہے، اس لئے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ قاضی اسماعیلؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں کہا ہے کہ

"طاؤس اپنے فضل وتقوی کے باوجود منکر باتیں روایت کرتے ہیں اور انہیں میں سے یہ حدیث بھی ہے"۔ ابن ایوب سے منقول ہے کہ وہ طاؤس کی کثرت خطا پر تعجب کرتے تھے۔ ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ "طاؤس اس حدیث میں تنہا ہیں"۔ ابن رجب نے کہا کہ "علماء اہل مکہ طاؤس کے شاذ اقوال کا انکار کرتے تھے"۔ قرطبی نے عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ "طاؤس کی روایت وہم اور غلط ہے، حجاز، شام اور مغرب کے کسی فقیہ نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے"۔

(ح) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حدیث دو وجہ سے شاذ ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور کوئی ان کا متابع نہیں۔ امام احمدؒ نے ابن منصور کی روایت میں کہا ہے کہ "ابن عباسؓ کے تمام تلامذہ نے طاؤس کے خلاف روایت کیا ہے"۔ جوزجانی نے کہا ہے کہ "یہ حدیث شاذ ہے"۔ ابن عبدالہادی نے ابن رجب سے نقل کیا ہے کہ "میں نے بڑی مدت تک اس حدیث کی تحقیق کا اہتمام کیا، لیکن اس کی کوئی اصل نہ پا سکا"۔

شاذ ہونے کی دوسری وجہ وہ ہے جس کو بیہقی نے ذکر کیا ہے، انہوں نے ابن عباسؓ سے تین طلاق لازم ہونے کی روایات ذکر کرکے ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ "وہ ابن عباسؓ کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے کوئی بات محفوظ کی ہو اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں"۔ ابن ترکمانی نے کہا کہ "طاؤس کہتے تھے کہ ابو الصہباء مولی ابن عباسؓ نے ان سے تین طلاق کے بارے میں پوچھا تھا؛ لیکن ابن عباسؓ سے یہ روایت اس لئے صحیح نہیں مانی جا سکتی کہ ثقات خود انہیں سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو ان کی بات ان سے زیادہ جاننے والے جلیل القدر صحابہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ وغیرہم پر حجت نہیں ہو سکتی"۔

حدیث میں شذوذ ہی کی وجہ سے دو جلیل القدر محدثوں نے اس حدیث سے اعراض کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اثرم اور ابن منصور سے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کی حدیث قصداً ترک کر دی؛ اس لئے کہ میری رائے میں اس حدیث سے یکبائی تین طلاق کے ایک ہونے پر استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ حفاظ حدیث نے ابن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے اور بیہقی نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حدیث کو اسی وجہ سے قصداً چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے امام احمدؒ نے ترک کیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دو امام فن حدیث کو اسی وقت چھوڑ سکتے ہیں جب کہ چھوڑنے کا سبب رہا ہو۔

(د) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ایک اجتماعی حالت بیان کرتی ہے، جس کا علم تمام معاصرین کو ہونا چاہئے تھا

اور متعدد طرق سے اس کے نقل کے کافی اسباب ہونے چاہئے تھے، جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔ حالانکہ اس حدیث کو ابن عباسؓ سے بطریق آحاد ہی روایت کیا گیا ہے، اسے طاؤس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، جب کہ وہ منا کیر بھی روایت کرتے ہیں۔

جمہور علماء اصول نے کہا ہے کہ اگر خبر آحاد کے نقل کے اسباب وافر ہوں تو محض کسی ایک شخص کا نقل کرنا اس کے عدم صحت کی دلیل ہے۔ صاحب جمع الجوامع نے خبر کے عدم صحت کے بیان میں اس خبر کو بھی داخل کیا ہے جو نقل کے اسباب وافر ہونے کے باوجود بطریق آحاد نقل کی گئی ہو۔ ابن حاجبؒ نے مختصر الاصول میں کہا ہے: "جب تنہا کوئی شخص ایسی بات نقل کرے، جس کے نقل کے اسباب کافی تھے، اس کے نقل میں ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہونی چاہئے تھی، مثلاً وہ تنہا بیان کرے کہ شہر کی جامع مسجد میں منبر پر خطبہ دینے کی حالت میں خطیب کو قتل کر دیا گیا تو وہ جھوٹا ہے، اس کی بات بالکل نہیں مانی جائے گی"۔

جس بات پر عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تمام مسلمان باقی رہے ہوں، تو اس کے نقل کے کافی اسباب ہوں گے؛ حالانکہ ابن عباسؓ کے علاوہ کسی صحابی سے اس کے بارے میں ایک حرف بھی منقول نہیں (اور اس کو بھی حضرت ابن عباسؓ نے ابو الصہباء کے تلقین کرنے پر بیان کیا ہے) صحابۂ کرام کی خاموشی دو بات پر دلالت کرتی ہے۔ یا تو حدیث ابن عباسؓ میں تینوں طلاقیں بیک لفظ نہ مانی جائیں؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ بیک لفظ تین الفاظ میں تین طلاق دی گئی اور لفظ کا تکرار تاکید پر محمول کیا جائے، یا یہ حدیث صحیح نہیں، اس لئے کہ نقل کے کافی وسائل ہونے کے باوجود آحاد نے اسے روایت کیا ہے۔

(ز) جب ابن عباسؓ جانتے تھے کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں تین طلاق ایک گنی جاتی تھی، تو ان کے صلاح و تقویٰ، علم و استقامت، اتباع سنت اور برملا حق گوئی کے پیش نظر یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ انھوں نے یکبائی تین طلاق سے تین یا ذکر کرنے میں حضرت عمرؓ کے حکم کی اتباع کی ہوگی۔ تمتع حج، دو دینار کے عوض ایک دینار کی خرید و فروخت، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ کے مسائل میں حضرت عمرؓ سے ان کا اختلاف پوشیدہ نہیں، لہذا کسی ایسے مسئلہ میں وہ حضرت عمرؓ کی موافقت کیسے کرسکتے ہیں، جس کے خلاف وہ خود روایت کرتے ہوں۔ تمتع حج کے بارے میں حضرت عمرؓ سے ان کا جو اختلاف ہوا ہے، اس سلسلہ میں ان کا یہ مشہور قول ان کی برملا حق گوئی کی واضح دلیل ہے، انھوں نے فرمایا کہ: "قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم لوگ کہتے ہو ابوبکر نے کہا عمر نے کہا"۔

(ح) اگر ابن عباسؓ کی حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے، تو قرون اولیٰ میں صحابۂ کرام کے صلاح و تقویٰ، علم

واستقامت اور تقویٰ اور اتباع کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے تین طلاقوں کو ایک جانتے ہوئے حضرت عمرؓ کا حکم قبول کر لیا ہوگا۔ اس کے باوجود کسی سے بسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ اس نے حدیث ابن عباسؓ کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔

(۴) مخالفین کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین طلاق سے تین کے نفاذ کا حکم سزا کے طور پر جاری کیا تھا؛ اس لئے کہ ایسے کام میں جس پر بڑے غور و فکر کے بعد اقدام کرنا چاہئے تھا، لوگوں نے عجلت سے کام لینا شروع کر دیا تھا؛ لیکن یہ بات تسلیم کرنا موجب اشکال ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ جیسا متقی عالم وفقیہ کوئی ایسی سزا کیسے جاری کر سکتا ہے، جس کے اثرات مستحق سزا تک ہی نہیں محدود رہتے؛ بلکہ دوسری طرف (یعنی بیوی کی طرف) بھی پہونچتے ہیں۔ حرام فرج کو حلال کرنا اور حلال فرج کو حرام کرنا اور حقوق رجعت وغیرہ کے مسائل اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

<u>**مجلس کا فیصلہ:** سعودی عرب کی مجلس ہیئت کبار علماء نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:</u>

بعد دراسة المسئلة وتداول الرأی واستعراض الأقوال التی قیلت فیها ومناقشة ما علی کل قول من ایراد توصل المجلس بأکثریته الی اختیار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً ۔ (مجلة البحوث الإسلامیة المجلد الأول ، العدد الثالث ، ص: ۱۶۵)

مسئلہ موضوعہ کے مکمل مطالعہ، تبادلۂ خیال اور تمام اقوال کا جائزہ لینے اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات پر جرح و مناقشہ کے بعد مجلس نے اکثریت کے ساتھ ایک لفظ کی تین طلاق سے تین واقع ہونے کا قول اختیار کیا۔ سعودی علماء کی لجنہ دائمہ نے تین طلاق کے مسئلہ میں جو بحث تیار کی ہے، اس کے اخیر میں اراکین مجلس کے دستخط بھی موجود ہیں۔

<u>**تنبیہ:**</u> اس مجلس کے جن علماء نے تین طلاق کو ایک قرار دیا ہے، انھوں نے صرف اس صورت کا یہ حکم بیان کیا ہے "جب کوئی شخص یوں طلاق دے کہ میں نے تین طلاق دی (یا دیا)؛ لیکن جب کوئی یوں کہے کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، تو اس صورت میں وہ بھی نہیں کہتے کہ ایک طلاق پڑے گی"۔ (یعنی اس صورت میں ان کے نزدیک بھی تین طلاق واقع ہوگی)۔

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

قرآن وحدیث کی روشنی میں بعض مسائل میں علماء وفقہاء کے درمیان ابتداء اسلام سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے۔ ان فروعی مسائل میں اختلاف کی حکمت ومصلحت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن وحدیث کے علوم میں تحقیق کا دروازہ کھولنا مقصود ہو تاکہ امت مسلمہ ان مسائل کے لئے قرآن وحدیث سے رجوع کرتی رہے۔ مثلاً شب قدر کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے مخفی رکھا تاکہ امت مسلمہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مختلف راتوں میں حتی کہ پورے سال اس کی تلاش کرتی رہے۔ نیز قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ اختلاف کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے بلکہ بعض احادیث میں علماء کے درمیان اختلاف کو رحمت تک قرار دیا گیا ہے، البتہ نزاع اور جھگڑا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

نماز میں تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک علماء وفقہاء کے درمیان عموماً اختلافات راجح ومرجوح سے متعلق ہیں، کہ کیا کرنا بہتر ہے، البتہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ تھوڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مسئلہ میں علماء وفقہاء کی تین رائے ہیں، ہر مکتب فکر نے اپنے فیصلے کو قرآن وحدیث سے مدلل کیا ہے۔ البتہ تمام دلائل کو سامنے رکھ کر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نقد وجرح سے بالاتر کسی بھی حدیث سے واضح طور پر نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا حرام ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز ادا ہی نہیں ہوگی۔ نیز مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا وقت نبی اکرم ﷺ کے واضح ارشادات میں دور دور تک حتی کہ احادیث ضعیفہ میں بھی موجود نہیں ہے۔ غرض زیر بحث مسئلہ میں علماء وفقہاء کی مندرجہ ذیل تین رائے ہیں:

۱۔ جہری نماز ہو یا سری، مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہیں، مقتدی کے لئے سورۂ

فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جہری نماز (مغرب، عشاء اور فجر) میں مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا، البتہ سری نماز (ظہر اور عصر) میں پڑھے گا۔

۳۔ جہری سری ہر نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارے اساتذۂ کرام نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے کہ جہری نماز ہو یا سری، مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہیں، مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہی رائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، جس کے بے شمار دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل تحریر کررہا ہوں :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورۂ الاعراف ۲۰۴) حضرات صحابہ، تابعین، مفسرین اور محدثین میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت امام زہریؒ، حضرت عبید بن عمیرؒ، حضرت عطا بن رباحؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت عامر شعبیؒ وغیرہ۔۔۔ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس نمازی کا حکم ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کررہا ہو۔ (تفسیر طبری)

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمارے لئے زندگی گزارنے کے طریقہ کو بیان فرمایا اور ہمیں نماز سکھائی اور فرمایا: جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو، پھر تم میں سے ایک امام بنے اور امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیـــــــر

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن کہے تو تم آمین کہو۔ (مسلم ج ۱ص: ۱۷۴) یہ صحیح حدیث واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ امام کی ذمہ داری قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ بوقت قرأت خاموش رہنا ہے۔ اگر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کا تذکرہ یہاں ضرور فرماتے۔ اس حدیث میں جہری سری نماز کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے یہ حکم سب نمازوں کو شامل ہوگا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب قعدہ میں ہو تو تم میں سے ہر ایک کا اولین ذکر تشہد ہونا چاہئے ۔۔۔۔۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے ارادے سے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو ۔۔۔۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ لہذا جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہے تو تم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہو۔ (نسائی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔ (مسند احمد) یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کی اقتداء میں پڑھی جائے۔ (ترمذی)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز میں کسی صحابی نے قرأت کی۔ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے

منع فرمایا۔ (مسند احمد، بیہقی)

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لوگ عقل و فہم سے کام لو۔ جب قرآن کی قرأت کی جائے تو اس کی طرف دھیان دو اور چپ رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، الدر المنثور للسیوطی)

﴿نوٹ﴾ حدیث: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ میں موضوعِ بحث مسئلہ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں دوسرا مسئلہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے، سنت ہے یا ضروری۔ حدیث مطلق اور عام ہے اس لئے اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا جیسا کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں گزر چکا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو دیگر احادیث کی روشنی میں سارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس کی یہ رکعت سورۂ فاتحہ کے بغیر ادا ہوگئی، معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر دلالت نہیں کرتی ہے۔



فجر کی ۲ رکعت سنت مؤکدہ

فجر کی ۲ رکعت سنت کی اہمیت:

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ فرض نمازوں کے ساتھ سنن ونوافل کا بھی خاص اہتمام کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوجائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ (بخاری) نیز اگر خدانخواستہ قیامت کے دن فرض نمازوں میں کچھ کمی نکلے تو سنن ونوافل سے اسکی تکمیل کردی جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سے سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائیگا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ اور اگر کچھ نماز میں کمی پائی گئی تو ارشادِ خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندے کے پاس کچھ نفلیں بھی ہیں جن سے فرضوں کو پورا کردیا جائے، اگر نکل آئیں تو ان سے فرضوں کی تکمیل کردی جائے گی۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداود، مسند احمد)

دن رات میں ۱۲ رکعت سنن مؤکدہ ہیں (۲ رکعت نمازِ فجر سے قبل، ۴ رکعت نمازِ ظہر سے قبل، ۲ رکعت نمازِ ظہر کے بعد، ۲ رکعت نمازِ مغرب کے بعد اور ۲ رکعت نمازِ عشاء کے بعد)۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام نمازِ سنن میں سب سے زیادہ اہمیت فجر کی ۲ رکعت سنتوں کی ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنتیں) دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دو رکعتیں پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ (مسلم)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنت) نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑوں سے تم کو روندیا جائے۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے ۴ رکعت اور فجر سے پہلے ۲ رکعت کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ (بخاری)

فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد ۲ رکعت سنت:

علماء کرام کا اتفاق ہے کہ نماز فجر کے علاوہ اگر دیگر فرض نمازوں (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) کی جماعت شروع ہوجائے تو اس وقت اور کوئی نماز حتی کہ اس نماز کی سنتیں بھی نہیں پڑھی جاسکتیں۔ البتہ فجر کی سنتوں کے سلسلہ میں علماء کی دو رائے ہیں، اور یہ دونوں رائے صحابہ کرام کے زمانے سے چلی آرہی ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

پہلی رائے کے مطابق:

فجر کی سنتوں کا حکم بھی دیگر سنتوں کی طرح ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد سنت کی ادائیگی نہیں۔ اس رائے کے لئے بنیادی طور پر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب جماعت شروع ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی۔ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) (دوسری رائے کے نقطۂ نظر کے مطابق اس حدیث کا صحیح مفہوم مضمون کے آخر میں مذکور ہے غرضیکہ حدیث کے نص کو سمجھنے میں علماء کی رائے مختلف ہیں)۔

دوسری رائے کے مطابق :

فجر کی سنتوں کی اہمیت کے پیش نظر جماعت شروع ہونے کے بعد بھی حضرات صحابہ کرام یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ لہذا اگر نماز کی دوسری رکعت مل جانے کی قوی امید ہو تو جہاں جماعت ہورہی ہے اس سے حتی الامکان دور فجر کی دو رکعت سنت پڑھکر نماز میں شریک ہوں۔ جس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا عمل:

حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہماری مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھارہا تھا، آپ نے ایک ستون کے قریب فجر کی سنتیں ادا فرمائیں چونکہ وہ اس سے پہلے سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے۔۔۔۔۔اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی مضبوط ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۵)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا عمل:

حضرت ابوعثمان انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے جب کہ امام فجر کی نماز پڑھارہا تھا اور آپ نے فجر کی دو رکعت سنتیں نہیں پڑھی تھیں، تو پہلے انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوکر فجر کی نماز پڑھی۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۳، طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام، صَحَّحَه النِّیمَوِی)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا عمل:

حضرت محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر سے نکلے تو فجر کی نماز کھڑی ہوگئی تھی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں پھر باجماعت نماز پڑھی۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام، اسنادہ حسن)

حضرت ابو الدرداء ؓ کا عمل:

حضرت ابو الدرداء ؓ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کے لئے صفوں میں کھڑے تھے، آپ نے مسجد میں ایک طرف دو رکعتیں پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد و الامام)

دور فاروقی میں صحابہ کا عمل:

حضرت ابوعثمان مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر آیا کرتے تھے، جب کہ حضرت عمر فاروق ؓ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو رکعتیں پڑھ لیتے، پھر لوگوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہوجاتے۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد و الامام)

ان جلیل القدر حضرات صحابۂ کرام کے عمل سے معلوم ہوا کہ اگر نماز فجر کی جماعت مل جانیکی توقع ہے تو مسجد میں ایک طرف سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔

اس موضوع پر مزید تحقیق کے لئے میں امام علی بن ابی بکر الہیثمی کی حدیث کی مشہور و معروف کتاب: (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد / باب اذا اقیمت الصلاۃ ھل یصلی غیرھا) کا خلاصہ ذکر کررہا ہوں۔ مؤلف مذکور نے اس باب کا نام رکھا ہے: اگر نماز شروع ہوجائے تو کیا کوئی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ اس موضوع سے متعلق سب سے مستند حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا عمل ذکر کیا گیا ہے: وہ اگر سنتیں پڑھے بغیر مسجد پہونچتے تو ستون کے قریب فجر کی سنتوں کو ادا فرماتے پھر جماعت میں شریک ہوتے (متفقہ طور پر یہ حدیث صحیح ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن سے خلفاء راشدین ودیگر بڑے بڑے صحابۂ کرام مسائل میں رجوع فرماتے تھے۔ ان کے علم وفقاہت کی صحابہ

کے درمیان عام شہرت تھی۔ نیز ان کو حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا والہانہ جذبہ وشوق تھا۔

اس حدیث کے بعد چند احادیث ذکر کی گئی ہیں جو یا تو ضعیف ہیں جن کے ضعف کا ذکر خود مؤلف مذکور نے کیا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سے احادیث کے درمیان بظاہر تضاد بھی ختم ہو۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ کی روایت: نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ فجر کی نماز قائم ہونے کے وقت فجر کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے کندھے پر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کاش اس نے سنتیں اس سے پہلے ہی ادا کر لی ہوتیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد سنت ادا ہی نہیں کر سکتے، بلکہ بہتر وافضل طریقہ کی طرف آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی کہ فجر کی جماعت شروع ہونے سے قبل ہی سنتوں سے فارغ ہوجانا، جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بہر حال ان احادیث سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابۂ کرام فجر کی نماز کھڑی ہوجانے کے بعد بھی فجر کی دو رکعت سنت ادا کرلیا کرتے تھے اگر وہ پہلے سے ادا نہ کر سکے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا صحیح مفہوم:

ارشاد نبی ﷺ ہے کہ جب نماز شروع ہوجاتے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی۔ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) یقیناً صحیح حدیث ہے مگر دیگر احادیث وصحابۂ کرام کے عمل کو سامنے رکھتے ہوتے یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق فجر کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں سے ہے، کیونکہ شریعت میں فجر کی دو رکعت سنتوں کی جو اہمیت ہے وہ دیگر سنن کی نہیں۔

دوسری بحث:

اگر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر حکم نبوی کے مطابق (اگر ان سنتوں کو پڑھنا چاہے تو) سورج نکلنے کے بعد ان سنتوں کی قضا پڑھ لے۔ فجر کی نماز کے بعد یہ سنتیں نہ پڑھے چونکہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کے بعد سے لے کر آفتاب تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ لے۔ (ترمذی، قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فجر کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں، تو آپ نے سورج نکلنے کے بعد انہیں قضا پڑھا۔ (مؤطا مالک، ماجاء فی رکعتی الفجر)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رُکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔ (بخاری، مسلم)

مذکورہ بالا احادیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں، لیکن بعض احباب فجر کے فرائض سے فارغ ہوتے ہی پڑھ لیتے ہیں اور دلیل میں حضرت ابوموسیٰ کی روایت پیش کرتے ہیں جو کہ مرسل ہے، جس کی سند متصل نہیں ہے، جیسا کہ خود امام ترمذیؒ جنہوں نے یہ روایت ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز فجر شروع ہونے سے قبل ہی دو رکعت سنتوں کی پابندی کرنے والا بنائے تاکہ شریعت میں جو اصل مطلوب ہے اس پر عمل ہو جائے۔

قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچنے کا حکم

روزمرہ کے تقریباً ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہے۔ البتہ چند اسباب کی وجہ سے روزمرہ کے تقریباً ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے اور ان میں سے بعض اسباب یہ ہیں:

☆ نص فہمی میں اختلاف: (یعنی قرآن وحدیث کی عبارت سمجھنے میں اختلاف ہوجائے) مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ (سورۃ النساء ۴۳)۔ علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے نواقض وضو مراد لیا ہے کہ عورت کو چھوتے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ دیگر مفسرین وفقہاء مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے نواقض غسل مراد لیا ہے کہ صحبت کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے، عورت کو صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ غرضیکہ نص فہمی میں اختلاف ہوا جس کی وجہ سے بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا۔

☆ ناسخ ومنسوخ کو طے کرنے میں اختلاف: یعنی حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل کونسا ہے؟ مثلاً نبی اکرم ﷺ سے رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کا کرنا اور نہ کرنا دونوں احادیث سے ثابت ہے، البتہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل کیا ہے، اس سلسلہ میں اختلاف ہے

☆ جدید استنباطی مسائل: نئے نئے مسائل میں اختلاف کا ہونا بدیہی ہے، کیونکہ ہر مجتہد وفقیہ کو اختیار ہے کہ وہ نئے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرے۔ مثال کے طور پر اپنے جسم کے کسی عضو (مثلاً کڈنی) کو ہبہ کرنے کا مسئلہ۔

☆ کسی معین حدیث یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث کو قابل قبول ماننے میں اختلاف ہوجائے (مثلاً موضوع بحث مسئلہ)۔

انہی ۲۰ فیصد مختلف فیہ مسائل میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچنے کا مسئلہ بھی ہے۔ اس مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ علماء وفقہاء کی ایک جماعت کی

رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ بھی ہیں، جبکہ دوسری جماعت کی رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نیز حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے متعدد شاگرد بھی ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب (تذکرۃ فی احوال الموتی) میں تحریر کیا ہے کہ اس باب میں اصل صدقہ ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے تو جس طرح سے صدقہ کا ثواب میت کو پہونچتا ہے، قرآن کریم پڑھنے، دعا اور استغفار کا ثواب بھی میت کو پہونچے گا کیونکہ یہ بھی صدقات ہی ہیں، اور جن حضرات نے امام شافعیؒ کے متعلق گمان کیا ہے کہ وہ میت پر قرآن کریم پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ کیونکہ صرف اختلاف اس میں ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ اور دیگر جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچے گا اگر پڑھنے والا اللہ تعالیٰ سے پہنچنے کی دعا کرتا ہے۔ اور جن حضرات نے کہا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب نہیں پہونچتا، تو یہ اس وقت ہے جب کہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ سے پہونچنے کی دعا نہ کرے۔ (تذکرۃ فی احوال الموتی للقرطبی) غرضیکہ علامہ قرطبیؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کی رائے میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچتا ہے۔

اس موضوع سے متعلق چند احادیث شریفہ:

☆ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابورافعؓ، حضرت ابوطلحہؓ انصاری اور حضرت حذیفہؓ کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے قربان کئے۔ ایک اپنی طرف سے اور دوسرا امت کی طرف سے۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی، مستدرک اور ابن ابی شیبہ)۔ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا ثواب دوسروں

کو حتی کہ زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں۔ اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی) امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ صدقہ کا ثواب میت حتی کہ زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔

☆ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ)۔ اسی مضمون کی متعدد دوسری روایات حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے اور اسے میت کے لئے نافع بتایا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ ان کے چچا ہشام بن العاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کر دئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو وہ ان کے لئے نافع ہوگا۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرو۔ اس کے سرہانے کی طرف سورۃ فاتحہ اور پیروں کی طرف سورۃ البقرہ کا آخر

پڑھو۔ (علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث طبرانی نے صحیح (حسن) سند کے ساتھ ذکر کی ہے)۔

☆ صحابۂ کرام سے بھی نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ فرمان پر عمل کرنا ثابت ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے میت کے سرہانے کی طرف سورۂ فاتحہ اور پیروں کی طرف سورۂ البقرہ کا آخری رکوع پڑھنے کا عمل ذکر کیا ہے۔ مسلم کی مشہور شرح لکھنے والے امام نوویؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (الاذکار)۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ یٰس قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا قرب اور آخرت میں بھلائی حاصل کرنے کی غرض سے اسے پڑھے گا، وہ اس کو حاصل ہوگی اور اس سورہ کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔ (مسند احمد، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، سنن بیہقی، نسائی) محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے اسی اور دیگر احادیث کی بنیاد پر میت پر قرآن کریم پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ دیگر محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن محدثین کا اصول ہے کہ فضائل کے سلسلہ میں ضعیف حدیث معتبر ہوتی ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے جمہور علماء کے قول کو تحریر فرمایا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص حالت نزاع میں ہو اور اس کے پاس سورۂ یٰس پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر نزاع کی حالت کو آسان فرمادیتا ہے۔ (مسند الدیلمی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار للقاضی الشوکانی)

☆ حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے: اگر کوئی قبرستان میں سورۂ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قبرستان کے مُردوں سے عذاب قبر کو کم کردیتا ہے۔ شیخ عبد العزیزؒ (صاحب الخلال) نے اس کی تخریج کی ہے۔ اس حدیث کو امام محمد بن عبد الوہابؒ نے اپنی کتاب

احکام تمنی الموت میں، امام حافظ الزیلعیؒ نے کنز الدقائق کی شرح میں اور امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی کتاب المغنی، کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی اس مشہور کتاب المغنی، کتاب الجنائز میں ایک اور حدیث ذکر فرمائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی شخص نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر سورۂ یٰس پڑھی تو میت کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

مشہور ومعروف محدث حضرت ابومغیرہؒ کہتے ہیں کہ حضرت صفوانؒ نے فرمایا کہ مشائخ کہا کرتے تھے کہ اگر میت پر سورۂ یٰس پڑھی جاتی ہے تو اس کی برکت سے اس کے ساتھ تخفیف کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ (مسند احمد) امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابومغیرہؒ سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ شیخ محب الدین الطبریؒ اور علامہ الشوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مرنے کے بعد کسی کی قبر پر سورۂ یٰس پڑھنا مراد ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مرنے والوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (دارقطنی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور الہاکم التکاثر پڑھے، پھر کہے کہ میں نے جو پڑھا ہے اس کا ثواب ان حضرات کو پہونچایا جو اس قبرستان میں مدفون ہیں تو وہ حضرات کل قیامت کے دن اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے۔ (دارقطنی)

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن العلاءؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ جب میں انتقال کرجاؤں تو بِسمِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہہ کر لحد والی قبر میں دفن کردینا اور میرے سرہانے سورۂ فاتحہ پڑھنا، اس لئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ

کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (اخرجہ الخلال فی الجامع " کتاب القراءۃ عند القبور ")

علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب " الروح " میں ذکر کیا ہے، نیز انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت نے کتابوں میں تحریر کیا ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے وقت ان کی قبر پر قرآن کریم پڑھا جائے۔

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا رہا، ان کے انتقال کے بعد کیسے خدمت کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھو۔ (دار قطنی)

علامہ حافظ الزیلعیؒ نے اپنی کتاب "شرح کنز الدقائق" میں، امام ابن الہمام نے "فتح القدیر" میں اور شیخ محمد العربی بن التبانی المالکی المغربیؒ نے اپنی کتاب "اسعاف المسلمین والمسلمات بجواز ووصول ثواب الی الاموات" میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے نماز پڑھو، اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھو، اپنے صدقہ کے ساتھ ان کے لئے بھی صدقہ کرو۔ (المصنف للشیخ ابن ابی شیبہ) اور امام محمد بن عبد الوہاب نے اس حدیث کو اپنی کتاب "احکام تمنی الموت" میں ذکر کیا ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے باپ کو فریضۂ حج کا حکم ایسی حالت میں پہنچا ہے کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ بھی نہیں سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ قبیلہ خثعم ہی کے ایک مرد کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بوڑھے باپ کے متعلق یہی سوال کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اس کو ادا کر دیتو وہ ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ اس شخص نے کہا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس اسی طرح تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ (مسند احمد، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ اس سے پہلے ہی مر گئیں۔ اب کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہیں کرتی، اسی طرح تم لوگ اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اور اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ کئے ہوئے عہد پورے کئے جائیں۔ (بخاری، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: میری ماں نے روزہ کی نذر مانی تھی اور وہ پوری کئے بغیر مر گئیں، تو کیا میں ان کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے روزہ رکھ لو۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی)

حضرت بریدہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے اپنی ماں کے متعلق پوچھا کہ ان کے ذمہ ایک مہینے (یا دوسری روایت کے مطابق دو مہینے) کے روزے تھے، کیا میں یہ روزے ادا کر دوں؟ آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔ (مسلم، ترمذی، ابو داؤد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ جو شخص انتقال کر جائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھ لے۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

﴿وضاحت﴾: ان احادیث میں دوسروں کی طرف سے نماز اور روزہ رکھنے کا جو ذکر آیا ہے، ان سے نفلی یا نذر کی نماز اور روزہ مراد ہیں، کیونکہ دیگر احادیث میں فرض نماز یا رمضان کے روزہ کے متعلق واضح حکم موجود ہے کہ وہ دوسروں کی طرف سے ادا نہیں کئے جا سکتے بلکہ اس کے لئے فدیہ ہی ادا کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھر والوں کے میت پر (بلند آواز کے ساتھ) رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

جن علماء وفقہاء کی رائے میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، وہ عموماً مندرجہ ذیل ۲ دلائل پیش کرتے ہیں:

☆ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔ (النجم ۳۸۔۳۹)

اگر اس آیت کے عموم سے قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچ سکتا تو پھر ایصال ثواب، قربانی اور حج بدل وغیرہ کرنا سب ناجائز ہو جائیں گے، بلکہ دوسرے کے حق میں دعائے استغفار حتی کہ نماز جنازہ بھی بے معنی ہو جائے گی، کیونکہ یہ اعمال بھی اس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے، جس کے حق میں دعا کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عمومی طور پر ہر شخص اپنے ہی عمل کی جزا یا سزا پائے گا۔ لیکن باپ یا بیوی یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص ان کی جنازہ کی نماز پڑھتا ہے یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے یا ان کی طرف سے حج یا عمرہ کرتا ہے یا قربانی کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرما کر میت کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا ان شاء اللہ، خواہ میت گناہگار ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میت کو ثواب نہیں ملا تو ان شاء اللہ ان اعمال کو کرنے والے کی طرف اس کا

اتھ پلٹ کر آئے گا، جس طرح منی آرڈر اگر پانے والے کو نہیں ملتا تو بھیجنے والے کو واپس مل جاتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان کے انتقال کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عمل: صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک لڑکے کی دعا جو وہ اپنے والد کے لئے کرے۔ (ابن ماجہ، ابن خزیمہ)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد صرف ان مذکورہ تین اعمال کی خاص اہمیت کو بتلانے کے لئے ہے۔ اگر اس حدیث کو عام رکھا جائے تو بیٹے کی ماں کے لئے یا بھائی کی بہن کے لئے یا کسی شخص کی اپنے متعلقین اور رشتہ داروں کے لئے دعا، استغفار اور جنازہ کی نماز سب بے معنی ہوجائیں گی۔ رسول اکرم ﷺ کے ارشادات میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، جیسے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز فجر اور عصر کی پابندی کرلی تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (بخاری، مسلم) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم صرف ان دو وقت کی نماز کی پابندی کرلیں، باقی جو چاہیں کریں، ہمارا جنت میں داخلہ یقینی ہے، نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ان دو نمازوں کی خاص اہمیت کو بتلانے کے لئے ہے کیونکہ جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ ضرور دیگر نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہوگا، اور نمازوں کا واقعی اہتمام کرنے والا دیگر ارکان کی ادائیگی کرنے والا بھی ہوگا، ان شاء اللہ۔ اسی طرح اس حدیث میں ان تین اعمال کی صرف خاص اہمیت بتلائی گئی ہے۔

خلاصۂ کلام: جیسا کہ ابتداء میں تحریر کیا گیا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہونے کی وجہ سے روزمرہ کے ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے جس میں کسی طرح کا کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ البتہ بعض مندرجہ بالا اسباب کی وجہ سے روزمرہ کے ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، جن کا نہ آج تک کوئی

حل ہوا ہے اور نہ ہی حل کی بظاہر کوئی خاص امید ہے، اور نہ ہی ہمیں ان مختلف فیہ مسائل کو حل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اس کا حل کل قیامت کے روز ہی ہوگا جیسا کہ سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ ڈاکٹر عائض القرنی نے ہندوستان کے حالیہ سفر کے دوران اپنی تقریر کے دوران فرمایا تھا۔

لہٰذا ہمیں اختیار ہے کہ ہم جن علماء کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں یا جن سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتے ہیں، انہی علماء کی سرپرستی میں ان ۴۰ فیصد مسائل پر دوسری رائے کا احترام کرتے ہوئے عمل کریں، الا یہ کہ دوسری رائے شریعت اسلامیہ کے واضح احکامات کے خلاف ہو۔

انہی مختلف فیہ مسائل میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچنے کا مسئلہ ہے۔ علماء وفقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ جبکہ دوسری جماعت کی رائے ہے کہ حج، زکاۃ، قربانی اور صدقات کی طرح قرآن کریم پڑھنے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے بعض اصحاب کی رائے بھی یہی ہے کہ میت کو قرآن کریم پڑھنے کا ثواب پہنچتا ہے، جیسا کہ امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار اور امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں تحریر فرمایا ہے۔ امام حافظ قاضی العناۃ تقی الدین السبکی الشافعی نے اپنی کتاب "قضاء الارب فی اسئلة حلب" میں قرآن کریم پڑھنے کے ثواب کو میت کے لئے ہبہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قرآن کریم پڑھنے کے ثواب کو میت کے لئے ہبہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ، جزء ۲۴)۔ امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد امام ابوبکر المروزیؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو آیت

الکرسی، پھر تین مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھو۔ اس کے بعد کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہونچا (المقصد الارشدفی ذکر اصحاب الامام احمد)۔ سعودی عرب کی مجلس قضاء اعلی کے سابق صدر شیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ نے اس موضوع پر ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر فرمایا ہے جس میں علماء کے اقوال و دلائل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے بھی ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچایا جا سکتا ہے۔

کیونکہ احادیث سے مالی اور مالی و بدنی مرکب عبادات میں نیابت کا واضح ثبوت ملتا ہے، جس پر ساری امت مسلمہ متفق ہے۔ رہی خالص بدنی عبادت تو متعدد احادیث سے اس میں بھی نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نیکیوں کی بعض اقسام کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ نیز قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ قرآن کریم کی تلاوت کرکے میت کو اس کا ثواب پہونچانے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ نیز آدمی جس طرح مزدوری کرکے مالک سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی اجرت میرے بجائے فلاں شخص کو دے دو، اسی طرح وہ کوئی نیک عمل کرکے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرسکتا ہے کہ اس کا اجر میری طرف سے فلاں شخص کو عطا کردیا جائے۔ لہذا ہمیں قرآن کریم کی تلاوت کرکے اپنے مُردوں کو اس کا ثواب پہنچانا چاہئے، لیکن اس کے لئے کسی وقت کی تعیین کرنا غلط ہے، بلکہ جب بھی موقع ملے اور جتنی توفیق ہو قرآن کریم کی تلاوت فرمائیں اور میت کو اس کا ثواب پہونچائیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆

داڑھی کی شرعی حیثیت

داڑھی کی شرعی حیثیت کیا ہے، واجب ہے یا سنت؟ اور داڑھی منڈوانا جائز ہے یا مکروہ یا حرام؟ جمہور محدثین ومحققین وفقہاء اور علماء کرام نیز چاروں ائمہ (امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) داڑھی کے واجب ہونے پر متفق ہیں۔ عصر حاضر میں بھی امت مسلمہ کے تقریباً تمام مکاتب فکر قرآن وحدیث کی روشنی میں وجوب کے ہی قائل ہیں۔

میں نے اس موضوع پر عربی واردو زبان کی متعدد کتابوں میں محدثین وفقہاء وعلماء کرام کے اقوال کا مطالعہ کیا ہے، سب نے یہی اعتراف کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے داڑھی کا واجب ہونا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کو داڑھی رکھنے کا امر (حکم) دیا ہے اور حکم وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے الا یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے کسی دوسرے ارشاد یا عمل یا صحابۂ کرام کے عمل سے معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا حکم (امر) وجوب کے لئے نہیں بلکہ صرف تاکید کیلئے ہے۔ لیکن زیر بحث مسئلہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی زندگیوں کے احوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا امت مسلمہ کو داڑھی رکھنے کا حکم وجوب کے لئے ہی ہے، چنانچہ خیر القرون میں صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی ایک محدث یا فقیہ یا عالم نے داڑھی کے عدم وجوب کا فتویٰ جاری نہیں فرمایا، بلکہ سب نے اس کے وجوب کا ہی فیصلہ فرمایا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلات کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی عربی کتاب "وجوب اعفاء اللحية" کا مطالعہ کریں جو سعودی عرب کے ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد سے شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس کتاب کا اردو ترجمہ deeneislam.com پر موجود ہے۔

اگر داڑھی کے صرف سنت ہونے کو تسلیم کربھی لیا جائے تو یہ عام سنت نہیں ہوگی بلکہ داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ اشد التاکید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی شعار بھی ہے اور تمام انبیاء کی

سنت بھی ہے، نیز فطرت انسانی بھی ہے اور فطرت انسانی کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے سورۃ الروم آیت ۳۰ میں ارشاد فرمایا ہے۔ برصغیر میں علم حدیث کی اہم و عظیم شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۲ میں تحریر کیا ہے کہ داڑھی کاٹنا اللہ کی تخلیق اور بناوٹ کو بدلنا ہے۔۔۔۔۔۔ بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ نبی اکرم ﷺ نے داڑھی کاٹنے کو مشرکین اور مجوسیوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور آپ ﷺ نے داڑھی کاٹنے والوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا۔

آئیے اولاً داڑھی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کریں:

☆ عن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَفِّرُوا اللُّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ۔ وفی روایۃ قال رسول اللہ ﷺ: أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى۔ (بخاری / باب تقلیم الاظفار، مسلم / باب خصال الفطرۃ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

☆ عن عبداللہ بن عمرؓ قال ذکر لرسول اللہ ﷺ المجوس فقال: إِنَّهُمْ يُوَفُّوْنَ سِبَالَهُمْ وَيُحَلِّقُوْنَ لِحَاهُمْ فَخَالِفُوْهُمْ۔ (صحیح ابن حبان ۸/۴۰۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجوس (آگ کی پرستش کرنے والے) کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور داڑھیوں کو مونڈتے ہیں، پس تم ان کی مخالفت کیا کرو۔

☆ عن عبداللہ بن عمرؓ عن النبی ﷺ أَنَّهُ أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ۔

(مسلم / باب خصال الفطرۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو مونچھوں کے کاٹنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم احکم الحاکمین اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے۔ اُمِرَ کا لفظ بھی کتابوں میں آیا ہے۔یعنی نبی اکرم ﷺ نے مونچھوں کے کاٹنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

☆ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اِنَّ اَهْلَ الشِّرْكِ يُعْفُوْنَ شَوَارِبَهُمْ وَيُحْفُوْنَ لِحَاهُمْ فَخَالِفُوْهُمْ، فَاعْفُوا اللِّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ۔ (رواہ البزاز بسند حسن) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرک لوگ مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور داڑھیوں کو کاٹتے ہیں پس تم ان کی مخالفت کرو، اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔

☆ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰى وَخَالِفُوا الْمَجُوْسَ (مسلم / باب خصال الفطرۃ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

☆ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس خصلتیں فطرت میں سے قرار دی ہیں، جن میں سے پہلی خصلت مونچھوں کو کاٹنا اور دوسری خصلت داڑھی کو بڑھانا ہے ---- (مسلم / باب خصال الفطرۃ) یعنی داڑھی رکھنا فطرتِ انسانی اور اسلامی شعار ہے، نیز یہ تمام انبیاء کی سنت ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری کی شرح فتح الباری ۳۴۹/۱۰ میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک ۲۱۹/۲ میں فطرت کی تشریح کے تحت تحریر کیا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے جب مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط لکھے، تو ان میں سے ایک خط کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی لکھا۔ اُس کے پاس جب نامۂ مبارک پہونچا تو اس نے اس کو پھاڑ دیا اور یمن کے گورنر کو لکھا کہ دو مضبوط آدمیوں کو تاز بھیجو جو اس شخص کو لے کر آئیں جس نے مجھے یہ خط تحریر کیا ہے۔ چنانچہ یمن کے گورنر نے شاہ فارس کسریٰ کے حکم سے دو فوجیوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ان کی داڑھیاں مونڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم دونوں کے لئے عذاب ہے، کس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے؟ دونوں نے کہا کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۲۷۰/۴، تاریخ ابن جریر ۹۱/۳، ۹۰، کتاب الوفاء باحوال المصطفیٰ للحافظ ابن الجوزی) اس واقعہ کو مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب (حیاۃ الصحابہ۔ ج ۱ ص ۱۱۵) میں مختلف سندوں کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

☆ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَجُوسِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ حَلَقَ لِحْيَتَهُ وَأَطَالَ شَارِبَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذِهِ دِيْنُنَا۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فِي دِيْنِنَا أَنْ نَّجُزَّ الشَّارِبَ وَأَنْ نُّعْفِي اللِّحْيَ۔ (روی ابن ابی شیبہ ۳۷۹/۸) مجوسیوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جس نے اپنی داڑھی مونڈی ہوئی تھی اور اپنی مونچھ بڑھائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ہمارا دین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن ہمارے دین میں تو یہ ہے کہ ہم مونچھیں کاٹتے ہیں اور داڑھیاں بڑھاتے ہیں۔

حضور اکرم کی داڑھی کا تذکرہ:

سید الانبیاء والمرسلین وخاتم الانبیاء وخیر البریہ حضرت محمد مصطفی ﷺ ہمیشہ داڑھی رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث میں آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔

عن جابر بن سمرہؓ قال: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ۔ (مسلم، کتاب الفضائل، باب شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ کی داڑھی مبارک میں بہت زیادہ بال تھے۔

عن ہند بن ابی ہالہؓ قال: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ كَثَّ اللِّحْيَةِ (رواہ الترمذی فی الشمائل والبیہقی فی شعب الایمان) نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ حضرت براءؓ سے انہی الفاظ کے ساتھ (نسائی ۵۲۳۲) میں روایت مذکور ہے۔حضرت علیؓ سے انہی الفاظ کے ساتھ (مسند احمد ۱۰۲/۲) میں روایت مذکور ہے۔

عن علیؓ قال: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَظِيمَ اللِّحْيَةِ (مسند احمد ۱۲۷/۱) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک بہت گھنی تھی۔

حضرت عائشہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے نبی اکرم ﷺ کا وضو کے وقت داڑھی میں خلال کرنے کا تذکرہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

غرضیکہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک کو مختلف الفاظ میں ذکر کیا ہے، اُن الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی اور زیادہ بالوں والی تھی۔ آپ ﷺ وضو کے وقت داڑھی میں خلال بھی کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھی اسمیں مہندی بھی لگاتے تھے۔ خلفاء راشدین اور دیگر صحابۂ کرام کی داڑھی مبارک کا تذکرہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے ان کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں۔ کسی بھی صحابی سے داڑھی کا مونڈنا یا ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا ثابت نہیں ہے۔

داڑھی کی مقدار:

نبی اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات کی بناء پر جمہور محدثین، فقہاء اور علماء کرام داڑھی کے وجوب کے تو قائل ہیں، البتہ یہ داڑھی کتنی رکھی جائے اور کیا داڑھی کی حد نبی اکرم ﷺ نے متعین کی تھی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء وعلماء کرام کا اختلاف زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اگرچہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں داڑھی کی حد کے متعلق خاص وضاحت نہیں ملتی۔ ہاں ترمذی (کتاب الادب / باب ما جاء فی الاخذ من اللحیہ) میں ایک روایت ہے جو سند کے اعتبار سے یقیناً کمزور ہے، اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کے طول وعرض سے زائد بال کاٹ دیا کرتے تھے۔ نیز بعض صحابۂ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک مشت کے بعد اپنی داڑھی کا کاٹنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ذکر فرمایا ہے۔ (بخاری، کتاب اللباس ج ۲ ص ۸۷۵)

غرضیکہ داڑھی کی مقدار کے سلسلہ میں تابعین، تبع تابعین اور اس کے بعد کے زمانے میں علماء کرام کی چند آراء ملتی ہیں، البتہ ایک مشت سے کم رکھنے کا جواز کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا کسی معتبر محدث یا فقیہ سے کہیں نہیں ملتا۔

داڑھی کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کے اقوال:

☆ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، یعنی کسی طرف سے کوئی بال نہ کاٹا جائے۔ امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک قول، جس کو امام نوویؒ نے راجح قرار دیا ہے، نیز امام احمد بن حنبلؒ کی دو رائے میں سے ایک رائے بھی ہے۔

☆ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، البتہ حج یا عمرہ سے فراغت کے بعد داڑھی کے دائیں اور بائیں جانب سے تھوڑا کاٹ لیا جائے۔ امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے دوسرا

قول یہی ہے، جس کو حافظ ابن حجرؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

☆ داڑھی کے دائیں اور بائیں جانب جو بال بکھرے ہوئے ہیں، ایک قبضہ (مٹھی) کی شرط کے بغیر ان کو کاٹ لیا جائے۔ امام مالکؒ کی رائے یہی ہے، جس کو قاضی عیاضؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

☆ ایک قبضہ (مٹھی) کے بعد داڑھی کے بال کاٹ لئے جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہی ہے کہ ایک مشت ہی داڑھی رکھنا سنت ہے اور ایک مشت (قبضہ) سے کم داڑھی کے بال کاٹنا جائز نہیں ہیں۔ اسی رائے کو تمام علماء احناف نے راجح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور ومعروف شاگرد امام محمدؒ نے اپنی تصنیف کتاب الآثار میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے روایت کیا امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ھیثمؒ سے اور وہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے کہ وہ یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر مٹھی بھر سے زائد کو یعنی جو مٹھی سے نیچے لٹکی ہوئی باقی رہ جاتی اسے کاٹ دیا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔۔۔ چنانچہ فقہ حنفی کی تمام مشہور ومعروف کتابوں میں یہی تحریر ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے اور اگر داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔

داڑھی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات سب سے زیادہ مستند ومعتبر سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے واسطے سے ہی امت مسلمہ کو پہونچی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان صحابۂ کرام میں سے ہیں جن سے بڑے بڑے صحابہ کرام بھی مسائل میں رجوع فرماتے تھے، نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے بڑے فدائی تھے اور آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی میں بہت زیادہ پیش پیش رہنے والے تھے، ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے داڑھی سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل کو ترازو بنا کر پیش کیا ہے کہ وہ حج وعمرہ سے

فارغ ہونے کے موقع پر احرام کھولتے تو داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد حصہ کاٹ دیا کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب اللباس ج ۲ ص ۸۷۵)

حافظ ابن حجرؒ "شرح بخاری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ داڑھی جب ایک مشت سے زائد ہو جائے تو زائد کو کتر دیا جائے، پھر طبری نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ داڑھی کے اگلے اور لٹکنے والے حصہ کو بڑھا ہوا رکھتے تھے مگر حج اور عمرہ میں (یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہوکر) اسے کاٹ دیا کرتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح ۴/۱۹۸)

داڑھی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بعد سب سے زیادہ روایات حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہیں، ان کا عمل بھی ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنے کا مذکور ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۵۸)

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب (الاحیاء ۱/۱۴۳) میں تحریر کیا ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کے کاٹنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن اگر کوئی ایک مشت کے بعد داڑھی کے بال کاٹ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور تابعین سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ علامہ ابن سیرینؒ نے ایک ہی مشت داڑھی رکھنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۲۸) میں لکھتے ہیں: داڑھی منڈانا حرام ہے اور ایک مشت کی مقدار تک اس کا بڑھانا واجب ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب (شرح العمدۃ ۱/۲۳۶) میں تحریر کیا ہے کہ اعفاء اللحیہ کے معنی داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے کے ہیں، لیکن اگر کوئی ایک مشت کے بعد داڑھی کا ٹتا

ہے یا دائیں جانب بکھرے ہوئے بال کو کاٹتا ہے تو وہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہے۔

صفوۃ التفاسیر کے مصنف اور مسجد حرام کے مدرس شیخ محمد بن علی الصابونی ؒ کا ایک مقالہ سعودی عرب کے مشہور و معروف اخبار (المدینہ) میں ۲۴ محرم ۱۴۱۵ھ کو شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے دلائل کے ساتھ تحریر کیا تھا کہ داڑھی کے بالوں کو بکھرا ہوا نہ چھوڑا جائے بلکہ جو بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہوں ان کو کاٹ کر داڑھی کو سنوارا جائے اور اس کو اس طرح نہ چھوڑا جائے کہ بچے ڈرنے لگیں اور بڑے لوگ کنارہ کشی اختیار کرنے لگیں۔

﴿نوٹ﴾: عصر حاضر کے بعض علماء کرام نے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، البتہ یہ علماء کرام بھی داڑھی کو کم از کم ایک مشت ہی رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں داڑھی کا حکم کہاں ہے؟ میں ان حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کریم میں یہ کہاں ہے کہ جو قرآن میں ہو بس اسی پر عمل کرنا لازم ہے اور قرآن میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو مت مانو، بلکہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار جگہوں پر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ (سورۃ النساء ۸۰) نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے، اگر قرآن کریم ہی ہمارے لئے کافی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم کیوں دیا ہے؟ اس موضوع پر تفصیل کے لئے میرے مضمون **حجیۃ حدیث** کو انٹرنیٹ کے اس لنک پر پڑھیں:

http://www.deeneislam.com/ur/verti/dars/1534/article.php?CID=1534

میں نے حجیت حدیث کے مضمون میں دلائل کے ساتھ تحریر کیا تھا کہ احادیث شریفہ کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا ناممکن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل آیت ۴۴ اور ۶۴ میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔

پھر بھی ان حضرات کے اطمینان کے لئے ذکر ہے کہ داڑھی کا تذکرہ قرآن کریم (سورۂ طہ ۹۴) میں آیا ہے: يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک پکڑی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی کو نہ پکڑو۔

داڑھی کو خضاب یا مہندی سے رنگنا:

اگر بڑھاپے کی وجہ سے داڑھی یا سر کے بال سفید ہوگئے ہیں تو نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں علماء کرام کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ بال کو خالص کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تخلیق کو بدلنا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے جوانی میں ہی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بال سفید ہوگئے ہوں تو جوانی میں بالوں کو خالص کالے رنگ سے رنگنے کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے، لیکن بچنے میں ہی خیر ہے۔ البتہ خالص کالے رنگ کے علاوہ مہندی یا سیاہی مائل کسی رنگ سے بالوں کا رنگنا سب کے لئے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

☆ حضرت ابوقحافہؓ کو فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ ان کے بال بالکل سفید تھے، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کے بالوں کی سفیدی کو بدلو، البتہ کالے رنگ سے بچو۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

☆ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بالوں کی سفیدی کو بدلنے کے لئے حنا اور کتم کا استعمال کیا کرو۔ (ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) حنا مہندی کو کہتے ہیں جبکہ کتم بھی مہندی کی طرح ہی ہوتا ہے لیکن بالوں پر استعمال کے بعد اس کا رنگ سیاہی مائل ہوجاتا ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے۔ (ابوداود/ باب في المصبوغ بالصفرة)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ خالص کالے رنگ سے اپنے بالوں کو رنگیں گے، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ (ابوداود، نسائی)

خلاصۂ کلام:

میرے عزیزو! داڑھی رکھنے میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، آپ کی اتباع اور آپ سے محبت کا اظہار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس سے داڑھی کا واجب ہونا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن دورِ حاضر میں بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے اور نہ صرف داڑھی منڈواتے ہیں بلکہ داڑھی پر مختلف تبصرے کرنے شروع کردیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ داڑھی نہ رکھنا گناہ ہے لیکن داڑھی پر غلط تبصرے کرنا یا داڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم ﷺ سے سچی محبت کرنے والا بنائے اور داڑھی رکھنے والا بنائے، آمین، ثم آمین۔

ذکرِ الٰہی اور اس کے لئے تسبیح کا استعمال

ہمیں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے مالک، خالق، رازق اور غفور و رحیم کے ذکر کا اہتمام روزانہ خاص طور پر صبح وشام کے وقت کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات میں ذکر کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، جن میں سے چند آیات واحادیث شریفہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (سورۃ الاحزاب ۔ ۴۱،۴۲) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کیا کرو۔

☆ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ﴾ (سورۃ الروم ۔ ۱۷) اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہر وقت کیا کرو، خصوصاً شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

☆ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (سورۃ الرعد ۔ ۲۸) خوب سمجھ لو، اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوا کرتا ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا، ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے، یعنی ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔ (بخاری، باب فضل ذکر اللہ عزوجل)

☆ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے زندہ شخص کی طرح ہے یعنی وہ آباد ہے، اور جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا، وہ مردہ شخص کی طرح ہے یعنی وہ ویران ہے۔ (مسلم، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ)

☆ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب سے نجات دلانے والا نہیں ہے۔ (رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورجالھما رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ۱۰/۷۱)

نبی اکرم ﷺ نے ذکر کی عام فضیلت کے ساتھ بعض خصوصی اذکار میں متعین تعداد کی خاص فضیلت بھی ذکر فرمائی ہے مثلاً:

☆ حضرت فاطمہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ بہتر چیز تم کو نہ بتادوں اور وہ یہ ہے کہ تم سونے سے پہلے ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یعنی ان تسبیحات کا اہتمام دن بھر کی تھکان کو دور کردے گا۔ (بخاری، باب التکبیر والتسبیح عند المنام)

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص ہر روز ۱۰۰۰ نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی ۱۰۰۰ نیکیاں کس طرح کماسکتا ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ پڑھے اس کے لئے ۱۰۰۰ نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کے ۱۰۰۰ گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ (مسلم، باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء)

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دن میں ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو اسکے گناہ معاف ہوجاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ (بخاری)

نوٹ: اس طرح کے مضمون پر مشتمل احادیث میں گناہ صغیرہ مراد ہوتے ہیں، یعنی چھوٹے

چھوٹے گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن گناہ کبیرہ کی معافی کے لئے توبہ شرط ہے۔ نیز حقوق العباد کی معافی کے لئے پہلی اور بنیادی شرط بندہ کے حق کا ادا کرنا ہے۔

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے صبح اور شام سبحان اللہ وبحمدہ ۱۰۰ مرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھا ہو۔ (مسلم، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء)

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے سامنے توبہ کیا کرو، اس لئے کہ میں خود دن میں ۱۰۰ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم، باب استحباب الاستغفار)

تسبیح کا استعمال:

ان مذکورہ اور اس طرح کی دوسری بے شمار احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بعض اذکار گنتی کے ساتھ بھی مطلوب ہیں۔ اور یہ تعداد مختلف طریقوں سے پوری کی جاسکتی ہے، مثلاً صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے، دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے، کنکریوں سے یا کھجور یا کسی اور چیز کی گٹھلی سے یا اسی طرح تسبیح کے ذریعہ۔ نبی اکرم ﷺ نے ذکر کے لئے گنتی کرنے کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ اپنے داہنے ہاتھ پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ۱۵۰۲) یہ حدیث ایک سند کے علاوہ باقی تمام سندوں سے دائیں (یمین) لفظ کے بغیر وارد ہوئی ہے۔ اس لئے اکثر محدثین نے دائیں لفظ کے اضافہ کو شاذ تسلیم کیا ہے، یعنی یمین کا لفظ راوی (محمد بن قدامہؒ) نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے، غرضیکہ اصل حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے مبارک ہاتھ پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی ۳۴۱۱ اور ۳۴۸۶، نسائی ۱۸۱۹ اور ۱۲۷۸، ابن

ماجہ، ابوداؤد ۵۰۶۵، مسند احمد ۲/۲۱۰، بیہقی، صحیح ابن حبان، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بزار، الادب المفرد للبخاری ۱۲۱۶)

☆ نبی اکرم ﷺ سے دائیں یا بائیں ہاتھ کی تحدید کے بغیر ہاتھ پر تسبیح پڑھنا ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے ہاتھ مبارک کی انگلیوں پر تسبیح شمار کرتے دیکھا۔ (ترمذی، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید)

☆ آپ ﷺ نے عورتوں کو دائیں یا بائیں ہاتھ کی تحدید کے بغیر انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کا حکم دیا۔ (ترمذی، باب فی فضل التسبیح)

☆ نبی اکرم ﷺ کے سامنے صحابۂ کرام کا مختلف چیزوں پر گنتی کر کے ذکر کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور آپ ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی کسی صحابی کو انگلیوں کے علاوہ کسی اور چیز پر گنتی کر کے ذکر کرنے سے نہیں روکا۔

☆ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے پاس چار ہزار کھجور کی گٹھلیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر میں تسبیح پڑھا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حیی کی بیٹی! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ان گٹھلیوں پر میں تسبیح پڑھ رہی ہوں۔ (ترمذی ۴/۲۷۴ ۳۵۵۴، رواہ الحاکم فی المستدرک ۱/۷۳۲ وقال ہذا حدیث صحیح، ووافقہ الذہبی ۱/۵۴۷)

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک صحابیہ ؓ کے پاس گیا جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔ (ترمذی ۵/۵۶۲ ۳۵۶۸، ابوداؤد باب التسبیح بالحصی ۱۵۰۰)

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی ۷/۱۱۸، مسند احمد

۵۴۰/۲ ، ابوداؤد، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۰/۲)

☆ حضرت جویریہ بنت الحارث ؓ گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

تسبیح کے متعلق مشاہیر علماء کرام کے اقوال:

متعدد احادیث صحیحہ کی روشنی میں اکثر محدثین، فقہاء اور علماء کرام کی رائے یہی ہے کہ اذکار کی گنتی کے لئے انگلیوں کے علاوہ کھجور یا کسی اور چیز کی گٹھلی یا کنکری یا تسبیح کا استعمال کیا جا سکتا ہے، اگرچہ انگلیوں کا استعمال زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ چیزیں مقصود عبادت نہیں ہیں بلکہ عبادت کا ذریعہ ہیں، مثلاً مساجد میں اسپیکر کا استعمال عبادت مقصودہ نہیں ہے بلکہ عبادت کے ایک جزء کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے، لہذا مساجد میں اسپیکر کے استعمال کی طرح تسبیح کا استعمال بھی بدعت نہیں ہے۔ ہندوپاک اور بنگلادیش کے علماء کرام بھی قرآن وسنت کی روشنی میں امام ابوحنیفہ ؒ اور دیگر فقہاء کی رائے کو ہی اختیار کرتے ہیں کہ تسبیح پر بغیر کسی کراہیت کے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ السیوطیؒ نے اپنے کتابچہ "المنحة فی السبحة" میں دلائل کے ساتھ تسبیح پر ذکر کرنے کے جواز پر جمہور علماء کا موقف تحریر فرمایا ہے۔

سعودی عرب کے مشہور ومعروف عالم دین وسابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے بھی یہی وضاحت کی ہے جو ان کی ویب سائٹ پر اس لنک کے ذریعہ پڑھی اور سنی جا سکتی ہے: http://www.binbaz.org.sa/mat/17357۔ جسمیں شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے تسبیح کے متعلق سوال کے جواب میں عرض کیا ہے: تسبیح یا گٹھلی یا کنکری کے ذریعہ ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ انگلیوں کے ذریعہ ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے انگلیوں کے ذریعہ ذکر کیا۔ لیکن احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض

عورتوں کو کنکریوں پر ذکر کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ بعض نیک لوگ کنکریوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے، جبکہ بعض دیگر صالحین سے دوسری چیزوں پر بھی ذکر کرنا ثابت ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں وسعت ہے (یعنی تسبیح یا کنکری وغیرہ کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جا سکتا ہے) لیکن انگلیوں پر تسبیح پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

نیز شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے فرمایا ہے کہ بائیں ہاتھ سے بھی تسبیح پڑھنے کی گنجائش ہے، جوان کی ویب سائٹ پر اس لنک کے ذریعہ پڑھی اور سنی جا سکتی ہے:

http://www.binbaz.org.sa/mat/17787

علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ نیز فرمایا کہ صحابۂ کرام کا کنکریوں پر ذکر کرنا اور نبی اکرم ﷺ کا اس پر سکوت اختیار کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اقرار کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کنکریوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ (مجموعہ فتاویٰ ج ۲۲ ص ۲۹۷)

نوٹ: صحابی کے کسی عمل پر نبی اکرم ﷺ کا سکوت اختیار کرنا بھی حدیث ہے، جو امت مسلمہ کے لئے قابل عمل ہے۔ پوری امت مسلمہ نے صحابی کے کسی عمل پر نبی اکرم ﷺ کے سکوت کو حدیث اور قابل عمل واستدلال ہونا تسلیم کیا ہے۔

سعودی عرب کے مشہور و معروف عالم دین شیخ محمد عثیمین ؒ کا بھی یہی قول ہے کہ تسبیح اور بائیں ہاتھ کا استعمال ذکر کے لئے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ تسبیح کی اصل یعنی صحابۂ کرام کا کنکریوں پر تسبیح پڑھنا احادیث سے ثابت ہے، البتہ انگلیوں سے ذکر کرنا بہتر ہے۔ یہ قول اس لنک پر پڑھا جا سکتا ہے:

http://majles.montadamoslim.com/t233-topic

سعودی عرب کے ایک دوسرے مشہور و معروف عالم دین شیخ عبدالعزیز بن فوزان بن صالح

الفوزان اور اسی طرح شیخ محمد حسان کی بھی یہی رائے ہے جو ان Links پر سنی جا سکتی ہیں۔

http://www.youtube.com/watch?NR=1&v=8q-mfp_gcZw

http://www.youtube.com/watch?v=lCZIgMDm_Pw&feature=related

اس موضوع پر شیخ عبدالفتاح بن صالح الیافعی کا تحقیقی تفصیلی مقالہ (حکم اتخاذ السبحة بین المجیزین والمانعین) اس لنک پر پڑھا جا سکتا ہے، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ امت مسلمہ خاص کر چاروں ائمہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں تسبیح پر ذکر کرنے کے جواز کے قائل ہیں:

http://www.almeshkat.net/index.php?pg=stud&ref=144

خلاصۂ کلام: مذکورہ احادیث صحیحہ ومشاہیر علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں ذکر الٰہی کے لئے صرف داہنا ہاتھ یا دونوں ہاتھ یا تسبیح وغیرہ کا استعمال بغیر کسی کراہیت کے کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں ہاتھ یا تسبیح کے ذریعہ ذکر کرتا ہے تو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس عمل کو بدعت کہے یا اُس شخص کو اُس کے عمل سے روکنے کی کوشش کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کنکری یا گٹھلی وغیرہ پر صحابۂ کرام یا صحابیات کو ذکر کرنے سے کبھی نہیں روکا، اسی طرح نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی سے بائیں ہاتھ پر ذکر کرنے سے کوئی انکار حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملتا، تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم کسی شخص کو بائیں ہاتھ پر ذکر کرنے سے روکیں۔ اگر ذکر کرنے کے لئے صرف دائیں ہاتھ پر ہی اکتفا ضروری ہے تو قرآن کریم کو چھونے، اسکی طباعت اور جلد سازی کے لئے، اسی طرح بیت اللہ کا غلاف تیار کرنے اور اسکو بیت اللہ پر چڑھانے، نیز مسجد کی تعمیر اور جانماز وغیرہ کو تیار کرنے میں صرف داہنے ہاتھ کے استعمال پر ہی اکتفاء کرنا ہوگا۔

امتحانات ۔۔۔ اور ۔۔ ہم ۔۔۔

تقریباً ایک ماہ سے بچوں کے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے، بچوں کے ساتھ والدین، بھائی بہن ودیگر متعلقین بھی ان امتحانات میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ ہر شخص کی خواہش ہے کہ میرا بیٹا/بیٹی، بھائی/بہن اچھے نمبرات سے امتحانات میں کامیابی حاصل کرے اور کسی اچھے کورس میں اس کا داخلہ ہوجائے۔انہیں افکار وجد وجہد کی وجہ سے ہر شخص کی اپنی ذاتی زندگی ان دنوں کسی نہ کسی حد تک ان امتحانات سے متاثر ہے۔فیملیوں نے مختلف مناسبات کی دعوتوں کو مؤخر کردیا ہے۔ہر شخص کی ایک ہی کوشش اور دعا ہے کہ میرا بیٹا/بیٹی، بھائی/بہن ان امتحانات میں کامیابی حاصل کرلے تاکہ اس کا مستقبل روشن و تابناک بن جائے۔

ان امتحانات میں کامیابی کے لئے کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے تاکہ ہم اور ہمارے بچے تعلیم یافتہ ہوکر ایک اچھا مقام حاصل کرسکیں ۔۔ ایک اچھی ومہذب زندگی گزار سکیں ۔۔۔ لیکن ان امتحانات کے ساتھ ان امتحانات سے بہت زیادہ اہم ایک دوسرا امتحان بھی ہے جسکی تیاری بھی ہمیں اسی دنیاوی زندگی میں رہ کر کرنی ہے۔اور یہ دنیاوی زندگی کب ختم ہوجائے گی کسی کو نہیں معلوم ۔ ہر شخص کا اس دنیاوی زندگی کو الوداع کہنا یقینی ہے، جس کا انکار نہ کسی نے کیا ہے اور نہ کوئی کرسکتا ہے۔

ہم ان امتحانات سے متاثر ہوکر اپنی دنیاوی زندگی گزارتے ہیں، ان امتحانات میں کامیابی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ بے شمار مالی وجسمانی قربانیاں دیتے ہیں۔ اپنے راحت وآرام کو قربان کرتے ہیں حالانکہ ہم سب کا تجربہ ہے کہ ان امتحانات میں ناکامی کے باوجود دنیا میں کامیابی کے بے شمار راستے نکل آتے ہیں ۔۔۔ اس کی تلافی ہوجاتی ہے ۔۔۔ نیز اگر ان امتحانات میں بالکل ہی ناکام ہوجائیں ۔۔۔ تب بھی دنیاوی زندگی بہر حال گزر ہی جاتی ہے اگر چہ یہ ہمارا مطلوب نہیں ہے ۔۔۔ ہمارا مطلوب تو تعلیم حاصل کرکے دونوں جہاں میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔

ان امتحانات میں مشغولیت کے ساتھ، ہماری یہ کوشش وفکر اور دعا ہونی چاہئے کہ ہم، ہماری اولاد، ہمارے اعزاء واقرباء اور دیگر متعلقین اخروی امتحان میں ضرور بالضرور کامیاب ہوجائیں کیونکہ اخروی امتحان میں ناکامی کی صورت میں دردناک عذاب ہے، جسکی تلافی مرنے کے بعد ممکن نہیں ہے، مرنے کے بعد آنسو کے سمندر بلکہ خون کے آنسو بہانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یاد رکھیں کہ اگر ہم اخروی امتحان کو سامنے رکھ کر یہ دنیاوی زندگی گزاریں گے تو ہمارا ان بچوں کے امتحانات میں مشغول ہونا، ان کی تعلیم پر پیسہ خرچ کرنا، ملازمت یا کاروبار کرنا، سونا، کھانا، پینا وغیرہ ہر عمل دنیا وآخرت دونوں جہاں کی کامیابی دلانے والا بنے گا، ان شاء اللہ۔

اخروی امتحان میں کامیابی اور ناکامی کی صورت میں کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الحاقہ کی چند آیات میں بھی اس صورت حال کا ذکر کیا گیا ہے، جن کا خلاصہ تفسیر درج ذیل ہے:

خلاصہ تفسیر: جس روز تم خدا کے روبرو حساب کے واسطے پیش کئے جاؤ گے۔ اور تمہاری کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔ پھر نامۂ اعمال ہاتھ میں دیے جائیں گے، تو جس شخص کا نامۂ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی سے بے ساختہ ہر ایک سے کہتا پھرے گا کہ میرا نامۂ اعمال تو پڑھو، میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامیاب وکامران ہوگیا، میرا تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب ملنے والا ہے۔ غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی جنت میں ہوگا جس کے میوے اسقدر جھکے ہوں گے کہ جس حالت میں چاہے گا حاصل کرلے گا۔ اور حکم ہوگا کہ کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے دنیاوی زندگی میں کئے۔

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، سو وہ نہایت حسرت سے کہے گا، کاش! مجھ کو میرا نامۂ اعمال ملتا ہی نہیں، اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! میری پہلی موت جو دنیا میں آئی تھی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ ہوتا جس پر یہ

حساب وکتاب مرتب ہوا۔۔۔ افسوس! میرا مال میرے کچھ کام نہیں آیا۔ میرا سارا اقتدار (جاہ ومرتبہ) ختم ہوگیا۔۔۔ ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس شخص کو پکڑو، اور اس کے گلے میں طوق پہنادو، پھر دوزخ میں اس کو داخل کردو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔۔۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر جس طرح ایمان لانا ضروری تھا ایمان نہیں رکھتا تھا۔اور خود تو کسی کو کیا دیتا، دوسروں کو بھی غریب آدمی کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز نصیب ہے، بجز اس گندے پانی کے جس میں اہل جہنم کی پیپ اور پس پڑی ہوگی، جس کو گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا، پیتا ہوگا۔

ابھی وقت ہے۔ موت کا فرشتہ کسی بھی وقت جسم سے روح نکال سکتا ہے۔کسی بھی لمحہ آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہوسکتی ہے۔روح پرواز ہونے کے بعد ایک دفعہ حج یا عمرہ کرنے، ایک پیسہ صدقہ کرنے، ایک سجدہ یا رکوع کرنے، حتیٰ کہ صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر کہنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ موت پر عمل کا وقت ختم اور اعمال کے مطابق جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ہم سب یہ عزم مصمم کریں کہ ان دنیاوی امتحانات کے ساتھ اس اخروی امتحان کی تیاری کرتے رہیں گے کہ جس میں ناکامی کی صورت میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے جو دنیاوی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔اگر ہم واقعی اخروی امتحان کو سامنے رکھ کر اس دنیاوی زندگی کو گزاریں گے تو ان شاء اللہ ہمیں دنیاوی زندگی میں بھی کامیابی وراحت ملے گی، اور کل قیامت کے دن ہمارا Result ان شاء اللہ داہنے ہاتھ میں ملے گا اور ہم کامیاب ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کے آرام وسکون میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے گزشتہ ایام میں ہوئی کوتاہیوں کی سچے دل سے معافی مانگیں۔ اس وقت کا ایک قطرہ آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے معافی مانگنا مفید ہوگا لیکن مرنے کے بعد آنسو کے سمندر بہانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

کبیرہ گناہوں سے اجتناب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (سورۃ النساء ۳۱)۔ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہوگے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کردیں گے اور تمہیں ایک عزت کی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہوں (یعنی بڑے گناہوں) سے اجتناب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے گناہوں کو معاف فرماکر اس کو اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں کبیرہ گناہوں (یعنی بڑے بڑے گناہوں) سے بچنا چاہئے۔ لیکن کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور بچنے کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے۔ لہٰذا کبیرہ گناہوں میں سے اُن ۳۰ گناہوں کو مختصراً لکھ رہا ہوں جن میں آجکل ہمارا معاشرہ مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کبیرہ وصغیرہ تمام گناہوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

گناہ کبیرہ کس کو کہتے ہیں: ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ یعنی بڑا گناہ کہتے ہیں جس سے شریعت اسلامیہ نے سختی کے ساتھ روکا ہو یا جس کے مرتکب کے لئے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی گئی ہو یا آخرت میں کوئی سخت وعید سنائی گئی ہو یا اس کے ارتکاب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو یا قرآن وحدیث میں اسکے لئے ملعون وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔

گناہ کبیرہ کا ارتکاب: اگر کسی شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ واستغفار کرے نیز کئے ہوئے گناہ پر نادم (شرمندہ) ہوکر آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

سچے دل سے معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ (خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں) حتیٰ کہ شرک کو بھی معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۃ الزمر ۵۳)۔ (اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے وہ تو بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ لیکن میرے عزیز دوستو! موت کا فرشتہ روح نکالنے کے لئے کسی بھی لمحہ آ سکتا ہے۔ اس کے بعد معافی مانگنے کا موقع میسر نہیں ہوگا۔ لہٰذا ابھی وقت ہے معافی کا دروازہ کھلا ہے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے معافی مانگیں۔

گناہ کبیرہ کی تعداد ۷۰ سے بھی زیادہ ذکر کی گئی ہے، لیکن یہاں اُن ۴۰ گناہ کبیرہ کا ذکر کیا جارہا ہے جس میں ہمارا معاشرہ مبتلا ہے:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا
۲۔ کسی کو ناحق قتل کرنا
۳۔ جادو کرنا یا جادو کروانا
۴۔ سود کھانا
۵۔ نماز نہ پڑھنا
۶۔ زکاۃ ادا نہ کرنا
۷۔ بلا عذر رمضان کے روزے نہ رکھنا
۸۔ استطاعت کے باوجود حج ادا نہ کرنا
۹۔ والدین کی نافرمانی کرنا
۱۰۔ رشوت لینا یا دینا
۱۱۔ شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کا استعمال کرنا
۱۲۔ زنا کرنا

۱۳۔ رشتے داروں سے قطع تعلق کرنا	۱۴۔ تکبر کرنا
۱۵۔ جھوٹ بولنا	۱۶۔ جھوٹی قسم کھانا
۱۷۔ جھوٹی گواہی دینا	۱۸۔ فحش کلامی کرنا
۱۹۔ جوا کھیلنا	۲۰۔ مال حرام طریقے سے کمانا اور خرچ کرنا
۲۱۔ کسی شخص کو دھوکہ دینا	۲۲۔ کسی پر ظلم وستم کرنا
۲۳۔ چغل خوری کرنا	۲۴۔ خودکشی کرنا
۲۵۔ چوری یا ڈکیتی کرنا	۲۶۔ ماپ تول میں کمی بیشی کرنا
۲۷۔ کسی بھی انسان مثلاً پڑوسی کو تکلیف پہنچانا	۲۸۔ TV و انٹرنیٹ کے ذریعہ فحش مناظر دیکھنا
۲۹۔ پیشاب کے قطرات سے نہ بچنا	۳۰۔ مرد کا (تکبراً) ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننا
۳۱۔ مردار یا حرام جانور کا گوشت کھانا	۳۲۔ کسی شخص (مثلاً یتیم) کا مال ناحق کھانا
۳۳۔ مسلمانوں کی تکفیر کرنا	۳۴۔ اللہ و رسول کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا
۳۵۔ شوہر کی نافرمانی کرنا	۳۶۔ عورتوں کا بے پردہ رہنا
۳۷۔ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا	۳۸۔ لواطت اور عورت کے دبر میں مباشرت کرنا
۳۹۔ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا	۴۰۔ کاہنوں اور نجومیوں کی تصدیق کرنا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہ کبیرہ سے بچائے اور جو گناہ کبیرہ وصغیرہ ہم سے سرزد ہوگئے ہیں، اللہ ان کو معاف فرمائے، آمین۔

میرے عزیز دوستو! کبیرہ گناہ کے شبہ سے بھی ہمیں بچنا چاہئے۔

حقوق العباد (بندوں کے حقوق)

جن ہم کبیرہ گناہوں کا تذکرہ گزشتہ مضمون میں کیا گیا ہے، یا اس کے علاوہ جتنے بھی کبیرہ وصغیرہ گناہ ہیں۔ اگر ان کا تعلق حقوق اللہ (اللہ کے حقوق) سے ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کی ادائیگی میں کوتاہی تب تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ معاف فرمادے گا، ان شاء اللہ۔

لیکن اگر ان گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی شخص کا سامان چرالیا یا کسی شخص کو اذیت دی، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام علماء وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اسکی معافی کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس بندے کا ہمارے اوپر حق ہے، اس کا حق ادا کریں یا اس سے حق معاف کروائیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے لئے رجوع کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: شہید کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، مگر کسی شخص کا قرضہ۔ (مسلم) یعنی اگر کسی شخص کا کوئی قرض کسی کے ذمہ ہے تو جب تک ادا نہیں کردیا جائے وہ اس کے ذمہ باقی رہے گا خواہ کتنا بھی بڑا نیک عمل کرلیا جائے۔ حضرت امام نووی ؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قرض سے مراد تمام حقوق العباد ہیں یعنی اللہ کے راستے میں شہید ہونے سے حقوق اللہ تو سب معاف ہوجاتے ہیں، لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔ (شرح مسلم)

معلوم ہوا کہ ہمیں حقوق العباد کی ادائیگی میں بالکل کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکاۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دئے جائیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم۔ باب تحریم الظلم)

یہ ہے اس امت مسلمہ کا مفلس کہ بہت ساری نیکیوں کے باوجود حقوق العباد میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد میں بھی کوتاہی کرنے سے محفوظ فرمائے، آمین۔

قسم کھانے کا بیان (حلف باللہ)

قرآن کریم کی آیات (سورۂ مائدہ ۸۹، سورۂ البقرہ ۲۲۵، سورۂ آل عمران ۷۷) و احادیث شریفہ کی روشنی میں قسم کھانے سے متعلق چند ضروری و اہم مسائل علماء کرام نے اس طرح بیان فرمائے ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات کے علاوہ کسی بھی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے (مثلاً تیری قسم، تیرے سر کی قسم)۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قسم کھانا ہی چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے (بخاری ومسلم)۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائی، گویا اس نے کفر وشرک کیا (ترمذی، ابوداود، صحیح ابن حبان، بیہقی، حاکم)۔ لہذا ہمیں حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہئے اگر ہمیں قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔

☆ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کرلیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اس طرح کی جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا سبب ہے۔ ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔ جھوٹی قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کردینے والی ہے اس لئے اس قسم کو یمین غموس کہا جاتا ہے۔ یمین کے معنی قسم اور غموس کے معنی ڈبا دینے والے کے ہیں۔

☆ کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور حقیقت میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی

کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی پھر معلوم ہوا کہ وہ نہیں آیا ہے۔ اسی طرح بلا قصد زبان سے قسم کے الفاظ نکل جائیں جیسے لا واللہ، بلی واللہ، قسم خدا کی۔ اس طرح کی قسم کھانے کو یمین لغو کہا جاتا ہے۔ ایسی قسم کھانے پر گناہ تو نہیں ہے، البتہ آداب گفتگو کے خلاف ہے لہذا اس طرح کی قسم کھانے سے بھی حتی الامکان بچنا چاہئے۔

☆ آئندہ زمانے میں کسی جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، پھر وہ کام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

= دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا۔
= یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا۔
= یا ایک غلام آزاد کرانا۔
= اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو قسم توڑنے والے کو تین دن مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔

☆ اگر کسی شخص نے ناجائز امر مثلاً نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہذا اس کو نماز پڑھنی ہی ہوگی البتہ کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

نذر یعنی منت ماننے کے مسائل

نذر اپنے اوپر کچھ واجب کرنے کا نام ہے۔ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کسی ایسے عمل کو جو اللہ تعالیٰ نے ضروری نہیں قرار دیا یا کسی بھی جائز عمل کو اپنے اوپر لازم کرنے کو نذر یعنی منت ماننا کہتے ہیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ماہ تین یا پانچ یا سات روزے رکھنے کی نذر مانتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں مرض سے شفا دیدی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔

نذر یعنی منت ماننے کا رواج پہلی قوموں میں بھی تھا حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سلسلہ جاری تھا جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر نذر کا تذکرہ ملتا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (آل عمران ۳۵) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیری (عبادت گاہ کی) خدمت کے لئے وقف کرنے کی نذر مانی ہے تو میری طرف سے قبول فرما۔

فَقُوْلِیْ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (مریم ۲۶) تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کا روزہ نذر مان رکھا ہے۔

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ (البقرہ ۲۷۰) تم جتنا خرچ کرو اور جو کچھ نذر مانو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے یعنی اس پر اجر و ثواب دیتا ہے۔

نذر کی قسمیں :

نذر اطاعت: اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے اعمال مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عمرہ وغیرہ میں سے ایسے کسی عمل کو اپنے اوپر لازم کرلینا جس کو اللہ تعالیٰ نے ضروری نہیں قرار دیا مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں روزانہ ۱۰ نوافل ادا کروں

گاہ بہ ماہ سات یا آٹھ روزے رکھوں گا۔ایسی منت کو پورا کرنا لازم ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (سورۃالحج ۲۹) اپنی نذروں کو پورا کرو۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ ۔(بخاری ومسلم) جس شخص نے اللہ کی اطاعت کے لئے کوئی منت مانی تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ حضرت عمرفاروق ؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں مسجدحرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو (بخاری)۔ نذر پوری کرنے والوں کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکرفرمائی ہے: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ...... (سورۃالانسان ۷) وہ اللہ کی اطاعت میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور عمرہ کی منت مانتے ہیں اور اس کو پورا کرتے ہیں...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کو نیک لوگوں میں شمار کیا ہے۔

مسئلہ: اگرکوئی شخص نذر (منت) ماننے کے بعد اس پر عمل کرنے سے رکنا چاہے تو اسے قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

قسم کا کفارہ: دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا۔ اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو تین دن کے مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔

نذر مقید: نذر کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی خاص شرط کے پورے ہونے پر منت مانی جائے، مثلاً اگر میری تنخواہ میں اضافہ ہوا تو میں ۱۰۰ ریال غریب کو دوں گا۔ یا میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا۔ اس طرح کی شرط کے ساتھ نذر ماننا جائز تو ہے البتہ شریعت اسلامیہ نے اس نوعیت کی نذر ماننے کو چند وجوہات کی وجہ سے پسند نہیں فرمایا ہے مثلاً: ☆ کبھی کبھی نذر ماننے والا منت پوری نہیں کرپاتا اور پھر گناہ گار رہتا ہے۔

☆ لوگوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے۔

☆ لوگوں میں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ ان کی نذر کی وجہ سے یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی نذر کے متعلق ارشاد فرمایا: نذر ماننے سے کوئی خیر نہیں آتی بلکہ اس کے ذریعہ صرف بخیل کا کچھ مال خرچ ہو جاتا ہے (بخاری ومسلم)۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اس طرح کی مقید نذر مان لے تو شرط پائے جانے پر نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اگر شرط پائے جانے کے باوجود کسی وجہ سے نذر پوری نہ کر سکے تو اسے قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

تنبیہ: نذر مثل نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ایک عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جیسا کہ نماز کی ہر رکعت میں ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بزرگ یا ولی کے نام سے نذر یعنی منت ماننا ناجائز وحرام ہے اور اس نذر کو پورا نہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ (بخاری ومسلم) اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر معتبر نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی گناہ کرنے کی یا کسی بزرگ یا ولی کے نام سے نذر مانی تو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کے ساتھ اس نذر کا ختم کرنا واجب اور ضروری ہے۔ البتہ کفارہ کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے، احتیاطاً قسم کے کفارہ ادا کرنے میں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے چند نذریں مانیں مگر اب ان نذروں پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہے تو وہ اپنی تمام نذروں کو ختم کر سکتا ہے۔ البتہ ایک قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا جتنی نذریں مانی تھیں اتنے ہی کفارے ادا کرنے ہوں گے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ہر نذر کا الگ الگ کفارہ ادا کرے۔

رزق کی کنجیاں

ہم سب رزق میں وسعت اور برکت کی خواہش تو رکھتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں رزق کی وسعت کے اسباب سے ناواقف ہیں۔صرف دنیاوی جد وجہد، محنت اور کوشش پر انحصار کر لیتے ہیں۔لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں رزق کی وسعت اور برکت کے چند اسباب تحریر کر رہا ہوں۔۔ اگر ہم دنیاوی جد وجہد کے ساتھ مندرجہ ذیل اسباب کو بھی اختیار کر لیں تو اللہ تعالی ہمارے رزق میں کشادگی اور برکت عطا فرمائے گا ان شاءاللہ، جو ہر شخص کی خواہش ہے :

۱) استغفار وتوبہ (اللہ تعالی سے گناہوں کی معافی مانگنا):

اللہ تعالی قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا : پس میں نے کہا: اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔ (سورۂ نوح ۱۰۔۱۲)

مفسرین لکھتے ہیں کہ سورۂ نوح کی ان آیات (۱۰۔۱۲)، سورۂ ہود کی آیت نمبر (۳) اور آیت نمبر (۵۲) میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہوں کی معافی مانگنے سے رزق میں وسعت اور برکت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کثرت سے اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اللہ تعالی اس کو ہر غم سے نجات دیں گے ہر مشکل سے نکال دیں گے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ (مسند احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم)

۲) تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنا):

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے (ہر مشکل سے) نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (سورۃ الطلاق ۲۔۳)

۳) اللہ تعالیٰ پر توکل:

توکل (بھروسہ) کے معنی امام غزالیؒ نے یوں لکھے ہیں: توکل یہ ہے کہ دل کا اعتماد صرف اسی پر ہو جس پر توکل کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ (احیاء العلوم ۴ ۔ ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے وہ اس کو کافی ہے۔ (سورۃ الطلاق ۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح بھروسہ کرو جیسا کہ اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس پلٹتے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)۔

یاد رکھیں کہ حصولِ رزق کے لئے کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو بھی حصول رزق کے لئے گھونسلے سے نکلنا پڑتا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہونا:

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم دن رات مسجد میں بیٹھے رہیں اور حصول رزق کے لئے کوئی کوشش نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالاتے ہوئے زندگی گزاریں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر میں تیرے سینے کو تونگری سے بھردوں گا، اور لوگوں سے تجھے بے نیاز کردوں گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

۵) حج اور عمرہ میں متابعت (بار بار حج اور عمرہ ادا کرنا):

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پے در پے حج اور عمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج اور عمرہ) فقر یعنی غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (ترمذی، نسائی)

۶) صلہ رحمی (رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا):

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے رزق میں کشادگی چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری) صلہ رحمی سے رزق میں وسعت اور کشادگی ہوتی ہے۔۔۔ اس موضوع سے متعلق حدیث کی تقریباً ہر مشہور و معروف کتاب میں مختلف الفاظ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات موجود ہیں۔

۷) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اور تم لوگ (اللہ کی راہ میں) جو خرچ کرو وہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (سورۂ سبا ۳۹)

احادیث کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں ملے گا۔ دنیا میں بدلہ مختلف شکلوں میں ملے گا جس میں ایک شکل رزق کی کشادگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم کی اولاد! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (مسلم)

میرے عزیز بھائیو! جس طرح حصولِ رزق کے لئے ہم اپنی ملازمت کاروبار اور تعلیم و تعلم میں جد وجہد اور کوشش کرتے ہیں، جان ومال اور وقت کی قربانیاں دیتے ہیں۔۔۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کئے گئے ان اسباب کو بھی اختیار کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری روزی میں وسعت اور برکت عطا فرمائے گا، ان شاء اللہ۔

مصنف کا تعارف

مولانا محمد نجیب قاسمی صاحب کا تعلق سنبھل ضلع مرادآباد (یوپی) کے علمی گھرانے سے ہے، ان کے دادا مشہور ومعروف محدث، مقرر اور مجاہد آزادی مولانا محمد اسماعیل سنبھلی ؒ تھے جنہوں نے مختلف اداروں میں تقریباً ۱۷ سال بخاری شریف کا درس دیا جبکہ ان کے نانا مفتی مشرف حسین سنبھلی ؒ تھے جنہوں نے مختلف اداروں میں افتاء کی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ بخاری واحادیث کی دیگر کتابیں بھی پڑھائیں۔

موصوف نے اپنی ابتدائی تعلیم سنبھل میں ہی حاصل کی چنانچہ مڈل اسکول پاس کرنے کے بعد عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ دریں اثناء ۱۹۸۶ میں یوپی بورڈ سے ہائی اسکول بھی پاس کیا۔ ۱۹۸۹ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران یوپی بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان Ist Division سے پاس کیا۔ ۱۹۹۴ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد موصوف نے ۱۹۹۸ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) سے BA (Arabic) کے امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ نیز دہلی کے قیام کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ترجمہ کے دو کورس کئے، بعد ہ دہلی یونیورسٹی سے MA (Arabic) کیا۔

۱۲ سال سے ریاض میں برسرروزگار ہیں۔ سعودی عرب میں حصول روزگار کے ساتھ ساتھ دو کتابیں تحریر کیں۔ تقریباً ۷ سال سے ریاض شہر میں حج تربیتی کیمپ بھی منعقد کررہے ہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر مضامین انٹرنیٹ پر Circulate کرتے رہتے ہیں۔

موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) سے پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی صاحب کی نگرانی میں (الجوانب الادبیة والبلاغیة والجمالیة فی الحدیث النبوی من الصحیحین) کے موضوع پر PhD کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو خلوص کے ساتھ دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد سلیم ولد مولانا محمد شمیم قاسمی مرحوم (سابق شیخ الحدیث مدرسہ حسین بخش، دہلی)

حج مبرور

محمد نجیب سنبھلی قاسمی



حي علی الصلاة



محمد نجیب سنبھلی قاسمی

ناشر: فریڈم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفیئر سوسائٹی۔ سنبھل